ٹارزن کی واپسی

# ٹارزن کی واپسی

دوسرا حصّہ

ایڈگر رائس بروز

## مقبول جہانگیر

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

# نئی مہم

ٹارزن نے اپنا خوبصورت اور مضبوط جسم پھیلا کر انگڑائی لی اور سامنے پھیلے ہوئے ریت کے سمندر کی طرف دیکھا۔ دوپہر کے چمکتے ہوئے سورج کی سُنہری دُھوپ میں شمالی افریقہ کے اِس ریگستان کا منظر دُور دُور تک صاف نظر آ رہا تھا۔ ریت کے ٹِیلے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور کانٹوں سے بھری ہوئی جھاڑیاں میلوں تک بکھری ہوئی تھیں۔

کتنا سکون اور کتنی خاموشی ہے اس صحرا میں۔ ٹارزن نے اپنے آپ سے کہا

اور پھر اُسے نیویارک اور پیرس جیسے بڑے شہروں کی یاد آئی۔ اُس کا مُنہ جیسے کڑوا ہو گیا۔ اُس نے نفرت سے ریت پر تھوکا اور دِل میں سوچنے لگا کہ اچھا ہوا میں وہاں سے نکل آیا۔ اب وہاں رہنے کا فائدہ بھی کیا تھا۔

ٹارزن صرف جین کے لیے امریکہ گیا تھا۔ وہ اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن امریکہ پہنچ کر اُسے جین کی زبانی پتا چلا کہ اُس کی منگنی نواب وِلیم کلیٹن سے ہو چکی ہے۔ ٹارزن اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے ثابت کر سکتا تھا کہ وہ نواب جان کلیٹن کا بیٹا ہے اور اُس کی جائیداد کا سو فی صد حقدار۔۔۔ لیکن اُسے دولت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو صرف جین سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جین اب اُس کی پہنچ سے بُہت دُور تھی۔ وُہ اُسے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے بہت دُکھ ہوا اور وہ جین کو بھول جانے کی کوشش میں فرانس کے دارالحکومت پیرس لَوٹ آیا جہاں اُس کا دوست ڈارنوٹ رہتا تھا۔ ڈارنوٹ نے یہ قصّہ سُنا تو اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ اُس نے کہا۔

”تم نے جین کو بتایا نہیں کہ اصلی نواب تم خود ہو؟ اور تمہارا چچازاد بھائی

وِلیم کلیٹَن اِس خطاب کا ہر گز حقدار نہیں۔"

"مجھے نوابی نہیں چاہیے۔" ٹارزن نے بے پروائی سے کہا۔

ڈارنوٹ نے غصّے سے جھنجھلا کر کہا۔ "کیسی حماقت کی تم نے۔۔۔ میں آسانی سے ثابت کر سکتا تھا کہ تم ہی اصل نواب ہو۔ میرے پاس وُہ ڈائری اور اُنگلیوں کے نشانات موجود ہیں جِن سے تمہارے خاندانی حالات کا پتا چلتا ہے۔"

"اب اس قصّے کو جانے دو۔" ٹارزن نے کہا۔ "اور مجھے کوئی ایسا کام دلاؤ جس میں مصروف ہو کر میں یہ باتیں بھول جاؤں۔ میں انگلستان نہیں جاؤں گا۔ تم میرے لیے کوئی کام تلاش کرو۔"

ڈارنوٹ نے دوستی کا حق ادا کیا اور ٹارزن کی مُلاقات فرانس کی خفیہ پولیس کے اعلیٰ افسر سے کرادی۔ اُس نے ٹارزن کے کارنامے سُن کر اُسے ایک ایسی مہم پر روانہ کر دیا جس میں قدم قدم پر خطرے تھے۔ لیکن یہ خطرے ٹارزن کو پسند تھے۔ اُسے آرام اور چین کی زندگی سے نفرت تھی۔ وہ

جنگل کی خوفناک دُنیا کا بادشاہ تھا اور جنگل کے تمام جانوروں پر اُس کی حکومت تھی۔ شیر، چیتے، جنگلی بھینسے، گینڈے اور ریچھ سب اس کی طاقت کا لوہا مانتے تھے۔ کسی میں اُس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اور اب جنگل کا یہ بادشاہ فرانس کی خُفیہ پولیس کا ایک رُکن بن کر شمالی افریقہ کے ایک شہر سیدی عبّاس کی طرف جا رہا تھا۔

اُسے ایک فرانسیسی فوجی لیفٹیننٹ کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس لیفٹیننٹ کا نام تھا جرنوس۔۔۔ اور وہ حال ہی میں فرانسیسی فوج کے ساتھ سیدی عبّاس آیا تھا۔ لیفٹیننٹ جرنوس کو فرانس کے چند ایسے فوجی راز معلوم ہو گئے تھے جو دُشمن مُلک حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جرنوس کو جب یہ راز معلوم ہوئے تو اُس نے سوچا کہ وہ اُنہیں کسی ملک کے ہاتھ فروخت کر کے دولت کمائے۔ اُس نے دوڑ دُھوپ شروع کر دی مگر فرانس کی خُفیہ پولیس کو جلد ہی اس کا علم ہو گیا۔ جرنوس بہت ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے خُفیہ پولیس کو ایسا کوئی ثبوت نہ پانے دیا جس کے ذریعے اُس پر ہاتھ ڈالا جا

سکتا۔ آخر خُفیہ پولیس کے اعلیٰ افسروں نے ٹارزن کی خدمات حاصل کیں اور اُسے سیدی عبّاس جانے کا حکم دیا۔ اُس زمانے میں سیدی عبّاس فرانسیسیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں انہوں نے اپنی فوج کا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔

یکایک اُفق کے قریب سے اُونٹوں کا ایک طویل قافلہ نمودار ہوا۔ اُونٹ ایک لمبی قطار میں ایک دُوسرے کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ چند لمحے بعد اُن پر بیٹھے ہوئے آدمی بھی ٹارزن کو نظر آنے لگے۔ اُن کے کپڑے قیمتی اور رنگ برنگے تھے اور جب وہ نزدیک آئے تو ٹارزن نے دیکھا کہ ہر شخص کی کمر سے رائفلیں اور کارتوس کی پیٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اُن لوگوں کے چہرے سیاہ نقابوں میں اس طرح چھپے ہوئے تھے کہ ٹارزن کو صرف اُن کی چمک دار آنکھیں ہی نظر آئی تھیں۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ بھی سیدی عبّاس جا رہا ہے۔" ٹارزن نے سوچا۔ اُس نے ایک امریکی شکاری کا بھیس بدل رکھا تھا۔ قافلے کو دیکھ کر

وہ بھی اپنے اُونٹ پر سوار ہوا اور قافلے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اگلے روز وہ سیدی عبّاس پہنچ گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی لیکن خوبصورت بستی تھی۔ اس میں عربوں کے علاوہ فرانسیسی بھی آباد تھے مگر دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ لوگوں نے ٹارزن کو غیر ملکی سیاح اور شکاری سمجھ کر خُوش آمدید کہا اور اُس سے باتیں کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ٹارزن جواب میں مُسکراتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ آخر وہ ایک دو منزلہ عمارت کے سامنے جا کر رُک گیا۔ یہ فرانسیسی فوج کا دفتر تھا۔ ٹارزن نے اندر جا کر فوجی افسر کو ایک خط دیا جو اُسے خُفیہ پولیس نے دیا تھا۔ اس خط میں صرف اتنا لکھا تھا کہ اس شخص کی ہر طرح مدد کی جائے۔ فوجی افسر نے ٹارزن سے کچھ پُوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ خط دیکھتے ہی اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لمبا تڑنگا دیو جیسا شخص ضرور کسی خاص مہم پر آیا ہے لیکن کس مہم پر؟ اس کا کوئی اشارہ خط میں نہ تھا۔

ٹارزن کو یہاں رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔ اس دوران میں اکثر

شہریوں اور فوجی افسروں سے اُس کی دوستی ہوگئی۔ سبھی اُسے پسند کرتے تھے اور اُس سے مل کر خوش ہوتے۔ لیفٹینٹ جرنوس سے بھی ایک دو بار اُس کی ملاقات ہوئی لیکن جرنوس نے کچھ زیادہ دلچسپی نہ لی۔ اُس کی عُمر چالیس کے لگ بھگ تھی لیکن تھا خُوب موٹا تازہ اور گراں ڈیل۔ وہ ہر وقت کچھ سوچتا رہتا تھا۔ ٹارزن کو یہ شخص اچھا نہیں لگا۔ اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ جرنوس اس سے گھبراتا ہے اور آنکھیں چار کر کے بات نہیں کرتا۔

ٹارزن کوشش کے باوجود جرنوس کے خلاف کوئی ایسا الزام تلاش نہیں کر سکا جس سے یہ شُبہ ہوتا کہ وہ فرانس کے فوجی راز کسی ملک کے ہاتھ فروخت کرنے کی فکر میں ہے۔ ٹارزن نے دن رات اُس کی نگرانی کی مگر بے فائدہ۔ جرنوس کا کوئی دوست تھا، نہ مُلاقاتی۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر چلا جاتا اور اگلے روز تک باہر نہ نکلتا۔ آخر ٹارزن کے دل سے یہ شُبہ ہٹنے لگا کہ جرنوس غدّار ہے۔ اُس کا خیال تھا کہ کسی نے اُس کے بارے

میں غلط افواہیں اُڑا دی ہیں۔ ایک روز یکایک ٹارزن کو پتا چلا کہ فوجی ہیڈ کوارٹر کی جانب سے جرنوس کی تبدیلی کا حکم آیا ہے اور اب اُسے جنوب کی طرف ایک اور مقام بُوسعدی بھیجا جا رہا ہے۔ جرنوس کے ساتھ سپاہیوں کی ایک کمپنی اور تین افسر بھی بھیجے گئے تھے۔ اُنھی میں ایک کیپٹن جیراڈ تھا جس سے ٹارزن کی دوستی ہو گئی تھی۔ کیپٹن جیراڈ کو بھی شکار سے دلچسپی تھی۔ اس لیے اُس نے ٹارزن کو بُوسعدی چلنے کی دعوت دی۔ ٹارزن تو خود وہاں جانے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ اُس نے فوراً حامی بھر لی۔

بُوسعدی جانے کے لیے لق و دق صحرا میں تین روز تک سفر کرنا پڑتا تھا۔ راستے میں کہیں کہیں، چھوٹی چھوٹی بستیاں اور قصبے تھے۔ بوریا نام کی ایک چھوٹی سی آبادی میں جہاں چار پانچ ہزار عرب اور چند فرانسیسی رہتے تھے، ایک دِن کے لیے جرنوس نے آرام کیا۔ ٹارزن جرنوس پر کڑی نظریں رکھے ہوئے تھا، لیکن اِس ہوشیاری سے کہ جرنوس کو اُس کے بارے میں کبھی شُبہ نہ ہو۔

ایک چھوٹے سے قہوہ خانے کے قریب سے گُزرتے ہوئے ٹارزن نے ایک شخص کو دیکھا جو کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھا اور یورپی معلوم ہوتا تھا۔ وہ ٹارزن کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا، لیکن جونہی ٹارزن نے اُس کی طرف دیکھا وہ فوراً منہ پھیر کر قہوہ خانے میں چلا گیا۔

جب یہ لوگ او میل کے مقام پر پہنچے تو ہر شخص تھکا ہوا تھا۔ ٹارزن ایک چھوٹی سی سرائے میں ٹھہر گیا۔ سپاہی اور افسر فوجی چوکی کی طرف چلے گئے اور رات انہوں نے وہیں گُزاری۔ ٹارزن صُبح سویرے ہی اُٹھ بیٹھا اور جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگا۔ اُسے ڈر تھا کہ دیر ہوئی تو جرنوس کا قافلہ روانہ ہو جائے گا۔ یکایک اُس کی نظر دو آدمیوں پر پڑی جو سرائے کے صحن میں کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی ٹارزن کے خُون کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ ناشتہ کرنا بھول گیا اور اُن آدمیوں کو دیکھنے لگا۔ اُن میں سے ایک تو جرنوس تھا اور دُوسرا وہی کوٹ پتلون والا اجنبی جو بوریا کے مقام پر ٹارزن کو نظر آیا تھا۔ دونوں چُپکے چُپکے باتیں کر رہے تھے۔ اچانک جرنوس

نے پلٹ کر دیکھا اور ٹارزن پر نظریں پڑتے ہی اُس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ فوراً ہی مُڑ کر اُس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور دونوں تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ٹارزن اُن کے پیچھے پیچھے گیا مگر وہ اتنی دیر میں نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اب پہلی بار ٹارزن کو یقین ہوا کہ جرنوس کے بارے میں فرانسیسی خُفیہ پولیس کو جو خبریں ملی ہیں وہ غلط نہیں۔ اُن کی تہہ میں ضرور کُچھ نہ کُچھ ہے۔

سیدی عیشیہ کے مقام پر ٹارزن نے جرنوس کو دوبارہ دیکھا۔ وہ اپنی کمپنی کے افسروں کے ساتھ ایک جگہ کھڑا تھا۔ ٹارزن کو دیکھ کر وہ کچھ پریشان ہوا مگر پھر فوراً ہی اُس نے اپنے ساتھیوں سے مُسکرا مُسکرا کر باتیں شروع کر دیں۔ ٹارزن نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر اُسے وہ کوٹ پتلون والا پُر اسرار اجنبی کہیں دکھائی نہ دیا۔

سیدی عیشیہ میں بڑی رونق تھی۔ اُن دِنوں یہاں بہت بڑا بازار لگا ہوا تھا۔

بے شمار قافلے آ جا رہے تھے۔ عرب سوداگر اور اُن کے نوکر جابجا اپنا سامان پھیلائے زور زور سے چلّا رہے تھے۔ خریدار اور گاہک مال کی قیمت طے کرنے کے لیے گھنٹوں چیخا کرتے اور بعض وقت مار کُٹائی تک بھی نوبت پہنچ جاتی۔ ٹارزن کو یہ ہنگامے اتنے دلچسپ معلوم ہوئے کہ وہ ایک دن کے لیے یہاں اور ٹھہر گیا۔ جرنوس کے ساتھ نہیں گیا۔

اُس نے عرب کے بدوؤں کی بہادری، مہمان نوازی، دوست کے لیے جان دے دینے اور دُشمن کا دُنیا کے آخری کنارے تک پیچھا کرنے کی داستانیں سُنی تھیں اور اُس کی خواہش تھی کہ وہ کسی عرب کے ساتھ دوستی کرے۔ بہت جلد یہ موقع اُس کے ہاتھ آ گیا۔ اُس نے بازار میں ایک خوبصورت عربی گھوڑا دیکھا جو فروخت کے لیے لایا گیا تھا۔ بہت سے لوگ اُس گھوڑے کے گِرد جمع تھے اور بڑھ چڑھ کر بولی دے رہے تھے۔ ٹارزن نے اپنی جیب ٹٹولی۔ اُس میں اتنے پیسے تھے کہ وہ یہ قیمتی گھوڑا آسانی سے خرید سکتا تھا۔ جب وہ مجمع کی طرف بڑھا تو لوگوں نے اُس کا راستہ چھوڑ دیا۔

گھوڑے کو نیلام کرنے والا عرب لڑکا چلّا چلّا کر تھک چُکا تھا۔ جونہی ٹارزن نے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈّی اُسے دکھائی، اُس نے بولی ختم کر دی۔ ٹارزن کے ہاتھ سے نوٹوں کی گڈّی چھینی اور گھوڑے کی باگ تھما دی۔ یہ دیکھ کر مجمع جھَٹ گیا اور لوگ اُس سفید چمڑی والے کی قسمت پر رشک کرتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ٹارزن نے عرب لڑکے سے پوچھا۔

"مجھے عبدل کہتے ہیں جناب۔" لڑکے نے ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی میں جواب دیا۔

"یہ گھوڑا تمہارا تھا؟" ٹارزن نے پُوچھا۔

"جی نہیں۔ میں ایک سوداگر کا نوکر ہوں۔" عبدل نے جواب دیا۔ "اُن کا نام شیخ خضر بن حضر ہے اور وہ شہر ذلفہ سے آئے ہیں۔ بہت مال دار تاجر ہیں۔ لیجیئے وہ آہی گئے۔"

ٹارزن نے پلٹ کر دیکھا۔ ساٹھ پینسٹھ سال کا ایک بُڈّھا قیمتی لباس پہنے
شاہانہ انداز سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔ قریب آ کر اُس نے اپنی چمکتی ہوئی
آنکھوں سے ٹارزن کو سر سے پیر تک دیکھا۔ اتنے میں عبدل، عربی زبان
میں ٹارزن کے بارے میں اُسے بتا چکا تھا کہ گھوڑا اس شخص نے خریدا
ہے۔ شیخ خضر بن حضر کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی اور اُس نے
مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ فرانسیسی زبان خُوب جانتا تھا۔ ٹارزن نے
اُسے اپنے ساتھ قہوہ پینے کی دعوت دی جو اُس نے خوشی خوشی منظور کر لی
اور پھر وہ تینوں آدمیوں اور جانوروں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے قہوہ خانے
کی طرف روانہ ہوئے۔ اچانک عبدل نے ٹارزن کا بازو چھُو کر گھبرائی ہوئی
آواز میں کہا۔

”جناب، ایک شخص ہمارے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ کوئی بدمعاش معلوم ہوتا
ہے۔“

ٹارزن نے مُڑ کر دیکھا تو اُسے ایک شخص اُونٹوں کے پیچھے چھُپتا ہوا نظر

آیا۔

"یہ تو کوئی عرب ہے۔ اُسے ہمارا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" ٹارزن نے کہا۔

"اِس شخص کی نیّت خراب ہے جناب۔ اُسے شک ہو گیا ہے کہ آپ کے پاس مال ہے۔" عبدل نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔" ٹارزن نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "اُسے بہت جلد پتا لگ جائے گا کہ میری جیب بالکل خالی ہے۔"

شیخ خضر بن حضر بہت نیک اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ وہ اور اُس کا خادم عبدُل سارا دن ٹارزن کے ساتھ رہے اور آخر میں رُخصت ہوتے وقت اُس نے ٹارزن کو دعوت دی کہ وہ ذلفہ ضرور آئے۔ وہاں شکار کثرت سے ملتا ہے۔ خاص طور پر ہرن، بارہ سنگھے، چیتے اور شیر۔ عبدُل کو ٹارزن نے سوداگر کی اجازت سے روک لیا۔ عرب لڑکا بہت ہوشیار اور وفادار نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سیّدی عیشیہ کے قصبے سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔

# خوفناک ہنگامہ

رات کو کھانے کے بعد جب ٹارزن عبدُل کو لے کر بازار میں سیر کے لیے نکلا تو اُسے قہوہ خانوں میں گانے بجانے کا شور اور لوگوں کے ہنسنے بولنے کا غُل غپاڑہ سُنائی دیا۔ اُس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ وہ ایک قہوہ خانے میں داخل ہوئے اور درمیان میں بچھی ہوئی ایک میز پر جا بیٹھے۔ قہوہ خانہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور ہر شخص سیاہ رنگ کے گاڑھے گرم گرم قہوے کی پیالی آگے رکھے اور لمبا سا سگار ہونٹوں میں دبائے بیٹھا تھا۔ ایک جانب لکڑی کے چبوترے پر کچھ لوگ بیٹھے باجے بجا رہے تھے اور اُن کے

آگے ایک لڑکی کھڑی گا رہی تھی۔

ٹارزن اندر آیا تو لوگوں کی نظریں اُس پر جم گئیں۔ اُن کے چہرے پر غصّے کے آثار تھے۔ یہ لوگ اپنے قہوہ خانوں میں اجنبیوں کا آنا پسند نہ کرتے تھے۔ قہوہ خانے کے ملازم نے قہوے کے دو پیالے لا کر ٹارزن اور عبدُل کے سامنے رکھ دیے۔ چند لمحے بعد لوگ اُن کی طرف سے نظریں ہٹا کر دوبارہ گانا سُننے لگے۔

گانے والی لڑکی بیس بائیس سال کی ہو گی۔ ٹارزن نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان سی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی خوشی سے نہیں گا رہی، مجبوراً ایسا کر رہی ہے۔ ایک دو مرتبہ وہ گھومتی ہوئی ٹارزن کی میز کے قریب بھی آئی اور اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

یکایک گانے والی خاموش ہو گئی اور باہر صحن میں چلی گئی۔ ٹارزن کی نگاہوں نے اُس کا پیچھا کیا۔ وہ صحن میں کھڑی دو آدمیوں سے باتیں کر رہی تھی۔ اُن آدمیوں نے ایک دو مرتبہ ٹارزن کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا اور

لڑکی نے گردن یوں ہلائی جیسے وہ اُن سے کوئی اقرار کر رہی ہو۔

"جناب مجھے تو کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔" عبدُل نے چپکے سے کہا۔ "ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے ورنہ یہ لوگ کوئی بہانہ بنا کر آپ پر حملہ کر دیں گے۔ میں اِن کی عادت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"فکر نہ کرو دوست۔" ٹارزن نے اُسے اطمینان دلایا۔ "یہ میرا بال تک بِیکا نہیں کر سکتے۔ میں تمہاری دُعا سے ان جیسے چھتیس کو کافی ہوں۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ گانا بجانا دوبارہ شروع ہو گیا اور وہی لڑکی اندر آ کر گانے لگی۔ اب ٹارزن نے صاف دیکھ لیا کہ وہ خوف زدہ سی ہے۔ اُس کے ہاتھ پیر قابو میں نہ تھے۔ وہ ہولے ہولے ٹارزن کے قریب آئی اور فرانسیسی زبان میں کہنے لگی۔

"جناب، آپ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔۔۔ آپ کی جان خطرے میں ہے۔۔۔وہ آپ پر حملہ کر دیں گے۔"

ٹارزن چُپ چاپ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اُس نے لڑکی کو کوئی جواب نہ دیا اور وہ گاتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔ کسی کو شک بھی نہ گزرا کہ اُس نے کسی سے بات کی ہے۔ عبدُل کے چہرے پر ایک رنگ آتا، ایک جاتا تھا۔ اُس نے گھبرا کر ٹارزن کا بازو تھام لیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"اُٹھیے جناب، یہ ٹھیک کہتی ہے۔ میں بھی خطرے کی بُو سُونگھ رہا ہوں۔ ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔ آپ یہاں اکیلے ہیں۔ اتنے آدمیوں کا مُقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"چُپ چاپ بیٹھے رہو عبدُل۔" ٹارزن کے لبوں پر مُسکراہٹ تھی۔ "میں ان سب سے اکیلا ہی نپٹ لوں گا۔"

عبدُل نے محسوس کیا کہ یہ شخص جو کہتا ہے کر کے بھی دِکھا سکتا ہے۔ وہ پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک لمبے قد کا حبشی قہوہ خانے میں داخل ہوا اور سیدھا اُس طرف آیا جدھر ٹارزن بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے دیکھ کر عبدُل نے

آہستہ سے کہا۔ ”یہ شخص ضرور لڑائی کے ارادے سے آیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تنہا نہیں۔ یہاں بیٹھا ہوا ہر آدمی لڑائی میں اِسی کا ساتھ دے گا۔“

حبشی ٹارزن کے قریب پہنچ کر رُکا اور اپنی زبان میں زور زور سے کچھ کہنے لگا۔ ٹارزن اُس کا مطلب نہیں سمجھا۔

”اُس شخص سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہے۔“ ٹارزن نے عبدُل سے کہا۔

”جناب، یہ آپ کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔“ عبدُل نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”وہ کہتا ہے کہ آپ نے گانے والی لڑکی کی توہین کی ہے۔ وہ اس شخص کی لڑکی ہے، اس لیے وہ اس توہین کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔“

”اِس شخص کو سمجھاؤ کہ میں نے کسی کی توہین نہیں کی اور نہ میں اِس ارادے سے یہاں آیا ہوں۔۔۔“ ٹارزن نے عبدُل سے کہا اور عبدُل نے ان الفاظ کا ترجمہ اپنی زبان میں کر کے آنے والے سے کہا جس کے جواب میں اُس شخص نے ایسی بات کہی کہ قہوہ خانے میں بیٹھا ہوا ہر شخص

قہقہے لگانے لگا۔

ٹارزن کا چہرہ غصّے سے آگ کی مانند سُرخ ہو گیا۔ اب ضبط کرنا اُس کی طاقت سے باہر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کُرسی سے اُٹھا اور بجلی کی طرح تڑپ کر حبشی کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں یوں اُوپر اُٹھا لیا جیسے وہ کاغذ کا بنا ہوا ہو۔ پھر اُس نے اُس کو اپنے سر سے اونچا کر کے اس زور سے لکڑی کے چبوترے پر پھینکا کہ چبوترا دھماکے سے ٹوٹ گیا۔ قہوہ خانے میں ایک لمحے کے لیے سکتہ سا چھا گیا۔ اس کے بعد ہر شخص وحشیانہ انداز میں چیختا ہوا ٹارزن کی طرف لپکا۔ عبدُل نے جھٹ اپنی کمر سے بندھا ہوا خنجر نکال لیا جس کی چمک دیکھ کر کچھ لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ ٹارزن کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر وہی مُسکراہٹ تھی اور اتنے لوگوں میں گِھرا ہونے کے باوجود اُس کے چہرے پر خوف کے کوئی آثار نہ تھے۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو میزیں اُٹھائیں اور حملہ آوروں کے گروہ پر پوری طاقت سے کھینچ ماریں۔ ایک اور دھماکہ ہوا۔ کئی آدمیوں کی چیخیں

بُلند ہوئیں اور پھر بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے خنجر اور تلواریں نکال لیں۔ وہ ٹارزن کو دھمکا رہے تھے لیکن آگے بڑھنے کی ہمّت کسی میں نہ تھی۔

ٹارزن کا ارادہ لڑنے بھڑنے کا نہ تھا۔ اُس کی خواہش یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکل جائے اور اُس کی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قہوہ خانے کا دروازہ کھُلا تھا اور اِس سے پہلے کہ حملہ آور دروازے کو بند کرنے کی کوشش کریں، اُس نے عبدُل کا ہاتھ پکڑا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اُس کا ارادہ بھانپ کر حملہ آوروں نے اُسے روکنے کی کوشش کی اور پانچ آدمیوں نے ایک ہی وقت میں ٹارزن اور عبدُل پر ہلّہ بول دیا۔

عبدل کا خنجر آناً فاناً ایک شخص کی کلائی میں اُتر گیا۔ دوسری طرف ٹارزن کے ہاتھ ایک مشین کی طرح چل رہے تھے۔ اس کا زور دار گھونسا جس کے جبڑے پر بھی پڑتا وہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا دُور جا گرتا۔ میزیں، کرسیاں

اُلٹنے، برتن ٹوٹنے اور حملہ آوروں کی چیخ و پکار سے ایک ہنگامہ برپا تھا۔ کئی آدمی فرش پر پڑے چلّا رہے تھے۔

ٹارزن نے لپک کر ایک شخص کی تلوار اُٹھالی اور وہ اور عبدُل دونوں ہال میں سے نکل کر صحن میں پہنچ گئے۔ یہاں کچھ اندھیرا تھا۔ ایک جانب لکڑی کا زینہ بنا ہوا تھا اور اُس کے سِرے پر ایک چھوٹی سی گیلری کے ساتھ تین چار کمرے دوسری منزل پر بنے ہوئے تھے۔ صحن کے چاروں طرف آٹھ نو فُٹ اُونچی دیوار تھی جسے ٹارزن کے لیے پھلانگ جانا کُچھ مُشکل نہ تھا مگر اُسے اپنے سے زیادہ عبدُل کا خیال تھا۔ اِس بہادر اور وفادار عرب لڑکے کو چھوڑ کر بھاگ جانا اُسے کسی طرح منظور نہ تھا۔

چند لمحے بعد انہوں نے پھر حملہ آوروں کی آواز سُنی۔ وہ اُن کے پیچھے آ رہے تھے۔ اچانک ٹارزن کے بازو پر کسی کی نرم نرم اُنگلیاں گڑ گئیں۔ اُس نے دیکھا کہ وہ گانے والی لڑکی ہے۔ اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”دیر نہ کرو۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔“ یہ کہہ کر وہ پھُرتی سے زینے پر چڑھ

گئی۔ ٹارزن اور عبدُل اُس کے پیچھے پیچھے گئے۔ وہ انہیں ایک کمرے میں لے گئی اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"وقت تھوڑا ہے۔ اِس کمرے کی یہ کھڑکی قہوہ خانے کی پُشت پر کھلتی ہے۔" لڑکی نے کھڑکی کی جانب اشارہ کیا۔ "آپ جلدی سے اِس کھڑکی کے راستے باہر کُود جایئے ورنہ یہ لوگ آپ کو پکڑ کر مار ڈالیں گے۔"

نیچے صحن میں حملہ آوروں کی ایک دوسرے کو پکارنے کی آوازیں ٹارزن کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ وہ اُن دونوں کو تلاش کر رہے تھے۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟" لڑکی نے گھبرا کر کہا۔ "وہ بدمعاش آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اُوپر آ جائیں گے پھر وہ مجھے بھی آپ کو بچانے کے جُرم میں ہلاک کر دیں گے۔"

ابھی یہ الفاظ لڑکی نے مُشکل ہی سے کہے ہوں گے کہ لکڑی کا زینہ زور زور سے ہلنے لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے آدمی وحشی درندوں کی طرح زینے پر چڑھ رہے ہیں۔ ٹارزن نے لپک کر کمرے میں

رکھی ہوئی دو کُرسیاں اور ایک میز اُٹھائی اور دروازے کے ساتھ اڑا کر رکھ دیں۔ اِس کے بعد اُس نے دوسرا اسامان اُٹھا اُٹھا کر دروازے پر ڈھیر کرنا شروع کیا تا کہ وہ آسانی سے کھُل نہ سکے۔ حملہ آور دھڑا دھڑ دروازہ پیٹ رہے تھے۔ جب دروازہ نہیں کھُلا تو وہ اُسے توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ ٹارزن نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا، عبدُل کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر جھانکا، گلی سُنسان تھی۔ اُس نے بُلندی کا اندازہ کیا۔ گلی کا فرش کھڑکی سے پندرہ فُٹ نیچے تھا۔

"کمرے میں کوئی رسّی ہے؟" ٹارزن نے لڑکی سے پوچھا۔ اُس نے نفی میں گردن ہلائی۔ دروازہ اب ایک تنکے کی طرح لرز رہا تھا اور کوئی دم میں ٹوٹنے والا تھا۔ ٹارزن نے چند کپڑے لیے، انہیں آپس میں گِرہ لگا کر باندھا اور پھر ان کی رسّی سی بنا کر اُس کا ایک سرا کھڑکی کے کٹہرے سے باندھ کر نیچے لٹکا دیا۔ عبدُل اپنا خنجر منہ میں دبا کر نیچے اُتر گیا۔ چند لمحے بعد اُس نے نیچے سے سیٹی بجا کر ٹارزن کو اشارہ کیا کہ وہ خیریت سے گلی میں پہنچ چکا

ہے۔

اچانک ایک دھماکے سے دروازہ ٹوٹا اور حملہ آور میز کُرسیوں کو ٹھوکروں
سے پرے ہٹاتے ہوئے کمرے میں گھُس آئے۔ لڑکی کے حلق سے ایک
بھیانک چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو کر ٹارزن کے بازوؤں میں آ رہی۔
ٹارزن نے ایک ہاتھ سے لڑکی کو اُٹھایا اور بندر کی طرح کھڑکی سے چھلانگ
لگا کر نیچے کُود گیا۔

# جنگ

ٹارزن بے ہوش لڑکی کو کندھوں پر اُٹھائے عبدُل کے ساتھ اپنی سرائے میں پہنچا تو رات خاصی جا چکی تھی۔ بازاروں میں سنّاٹا تھا۔ ایک دو جگہ کُتّوں نے اُن لوگوں کو پریشان کیا۔ اِس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ ٹارزن کا خیال تھا کہ حملہ آور سرائے تک اُن کا پیچھا کریں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں جرأت نہ ہوئی۔

ٹارزن نے عبدُل کے کپڑے بدلوائے اور سرائے والے کو گرم گرم قہوہ

بنانے کا حکم دیا۔ اتنے میں لڑکی ہوش میں آ چکی تھی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے ٹارزن کو دیکھ رہی تھی۔ آخر اُس کے خوف سے مُرجھائے ہوئے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ اُس نے ٹارزن سے کہا۔

"خُدا کا شکر ہے، ہم بچ گئے۔ آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔"

"نہیں لگی۔" ٹارزن نے ہنس کر جواب دیا۔ "میں تو تمہارے بارے میں فکر مند ہوں کہ وہ لوگ خواہ مخواہ تمہارے بھی دُشمن بن گئے۔ میرا خیال ہے اب تم اپنے قہوہ خانے میں واپس نہیں جاسکتیں، بلکہ ہمارا تو اِس قصبے ہی میں رہنا مشکل ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ "میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔۔۔ میں تو یہاں رہنا بھی نہیں چاہتی۔۔۔ انہوں نے مجھے قید کر رکھا تھا۔"

"قید کر رکھا تھا؟" ٹارزن نے حیرت سے کہا۔ "ہاں، میں اُن کی قید میں تھی۔ بلکہ یوں کہیے کہ اُن کی غلام تھی۔" لڑکی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”دو سال ہوئے چند بد معاش، جو غلاموں کی تجارت کرتے ہیں، مُجھے اُٹھا کر یہاں لے آئے اور قہوہ خانے کے مالک کے ہاتھ بیچ دیا۔ میرا گھر یہاں سے بہت دُور، جنوب کی طرف ہے۔“

”کیا تم اپنے ماں باپ کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟“ ٹارزن نے پوچھا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بُو سعدی تک اپنے ساتھ لے چلوں گا اور وہاں چند ایسے شریف آدمیوں کے سپُرد کر دوں گا جو تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا دیں گے۔“

لڑکی نے ٹارزن کی طرف دیکھا۔ خوشی سے اُس کا دل اُچھل رہا تھا۔ کیا وہ واپس اپنے گھر جا سکتی ہے اپنے ماں باپ سے مل سکتی ہے۔ وہ بے اختیار اُٹھی اور ٹارزن کے قدموں میں گِر گئی۔ ”آپ کتنے رحم دِل آدمی ہیں۔۔۔ اگر آپ مجھے میرے ماں باپ سے مِلوا دیں تو وہ آپ کو بہت انعام دیں گے۔ میرے والد اپنے قبیلے کے سردار اور بہت مال دار آدمی ہیں۔ اُن کا نام شیخ خضر ہے۔“

"شیخ خضر بن حضر؟" ٹارزن چلّایا۔ "وہ تمہارے والد ہیں؟ لیکن۔۔۔ لیکن وہ تو یہیں ہیں، عیشیہ میں۔ یہ عبدُل انہی کا نوکر ہے۔"

لڑکی کا جسم جیسے پتھّر کا ہو گیا۔ ٹارزن کی آواز اُسے کسی کنوئیں میں سے آتی ہوئی سُنائی دے رہی تھی۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "میرے والد یہاں ہیں۔ اب میں اُن سے مل سکوں گی۔ جناب، آپ تو میرے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے۔ خُدا کے لیے مجھے والد کے پاس لے چلیے۔"

"ہش۔۔۔" عبدل نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر لڑکی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکنے لگا۔ باہر گھُپ اندھیرے میں چند آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حملہ آوروں میں سے چند آدمی سرائے تک آن پہنچے تھے۔ اور اب وہ باہر سڑک پر کھڑے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ عبدُل غور سے اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ چلے گئے۔

"یہ لوگ کیا کہہ رہے تھے؟" ٹارزن نے عبدُل سے پوچھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بدمعاش آپ کے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔" عبدل نے جواب دیا۔ اُن میں سے ایک شخص اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ اِس سفید چمڑی والے کو ہر قیمت پر ہلاک کرنا ہو گا۔ اب اُن کا پروگرام یہ ہے کہ آپ کو بُوسعدی جانے والی سڑک پر گھیر کر مار ڈالا جائے۔ آخر یہ لوگ آپ کو کیوں مارنا چاہتے ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم۔" ٹارزن نے کہا۔ "میں نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا اور نہ میں اُن میں سے کسی کو جانتا ہوں۔ خیر، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ یہ لوگ مُجھ پر آسانی سے قابو نہ پا سکیں گے۔"

لڑکی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اُس نے تعریفی نظروں سے ٹارزن کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے بازو کیسے مضبوط ہیں۔ مجھے یاد ہے آپ نے کِس آسانی سے مجھے اُٹھا کر کھڑکی سے چھلانگ لگا دی تھی۔"

"لیکن تم تو اُس وقت بے ہوش تھیں۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نے کھڑکی

سے چھلانگ لگائی تھی؟" ٹارزن نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ کچھ ہوش تھا مجھے۔" لڑکی نے ہنس کر کہا اور اُس کے موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے۔

لڑکی اپنے باپ سے ملنے کے لیے بے چین تھی لیکن اِس وقت اُن کا سرائے سے نکل کر باہر جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ٹارزن نے وعدہ کیا کہ میں تمھیں صُبح سویرے ہی لے جاؤں گا۔ مُنہ اندھیرے ٹارزن کی آنکھ کھُلی تو اُس نے دیکھا کہ کمرے کے ایک گوشے میں لڑکی بے خبر پڑی سو رہی ہے لیکن عبدُل کہیں نظر نہیں آیا۔ حالانکہ وہ بھی وہیں سویا تھا۔ ٹارزن جلدی سے سرائے کے چوکیدار کے پاس گیااور اُس سے عبدُل کے بارے میں پوچھنے لگا۔ چوکیدار نے بتایا کہ وہ تھوڑی دیر ہوئی کہ باہر گیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ شیخ خضر بن حضر بام کے کسی شخص کو بلانے جارہاہوں۔ یہ سُن کر ٹارزن کو اطمینان ہوا اور وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ لڑکی اب بھی سو رہی تھی۔

آدھ گھنٹے بعد دروازہ کھُلا اور عبدُل خضر کو ساتھ لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ شیخ خضر کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ شاید اُسے عبدُل نے ابھی تک کچھ نہ بتایا تھا۔

”میرے دوست، میرے عزیز، کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟ عبدُل نے تو مُجھے ناشتہ بھی نہیں کرنے دیا۔“ اُس وقت تک اُس کی نظر سوئی ہوئی لڑکی پر نہیں پڑی تھی۔

ٹارزن نے کچھ کہے بغیر لڑکی کی طرف اشارہ کر دیا۔ شیخ خضر نے اُدھر دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے دِل کی حرکت بند ہوئی، پھر وہ چند قدم آگے بڑھا اور جھک کر لڑکی کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹ کپکپائے اور چہرہ سُرخ ہو گیا۔ عین اُسی لمحے لڑکی نے کروٹ لے کر آنکھیں کھول دیں۔

”ابّی۔“ وہ چلّا اُٹھی اور اپنے باپ سے لپٹ گئی۔

”میری بچّی۔۔۔ میری بچّی۔۔۔ تو کہاں گُم ہو گئی تھی۔۔۔ میں تُجھے

ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہو گیا۔ اللہ تیرا بڑا احسان ہے۔۔۔ تُو نے مُجھ پر بڑا کرم کیا ہے کہ دو برس کی بچھڑی ہوئی بیٹی سے ملوا دیا۔" اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور آواز بھرّائی ہوئی تھی۔ لڑکی نے ساری کہانی اپنے باپ کو سُنائی اور جب وہ سب سُن چُکا تو اُٹھ کر ٹارزن سے لپٹ گیا۔ "میرے عزیز دوست، تم نے ہمیشہ کے لیے مُجھے خرید لیا ہے۔ میری ہر شے تمہارے لیے حاضر ہے یہاں تک کہ یہ حقیر جان بھی۔"

ٹارزن نے خُود سر جھکا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ بُڈھے نے یہ الفاظ صرف اُسے خوش کرنے کے لیے نہیں کہے بلکہ یہ اُس کے دل کی آواز ہے جس میں خلوص اور محبّت شامل ہے۔

ٹارزن اب وقت ضائع کرنا نہ چاہتا تھا۔ وہ جِس کام کے لیے فرانس سے چل کر اِس لق و دق صحرا میں آیا تھا، اُسے فوراً کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے شیخ خضر سے کہا کہ میرا ارادہ بُو سعدی جانے کا ہے اور میں جلد سے جلد وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔" یہ سُن کر بُڈّھے نے کہا۔

”میرے عزیز دوست، میری خواہش تھی کہ تُم میرے ساتھ چلتے اور چند دِن مجھے میزبانی کی خدمت سونپتے۔۔۔ میں پہلے کہہ چُکا ہوں کہ میرے علاقے میں بہت گھنا جنگل ہے جہاں ہزارہا جانور ہیں۔ تم وہاں برسوں شکار کھیلو تب بھی جانور ختم نہ ہوں گے۔“

”ہاں ہاں، ابّی ٹھیک کہتے ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”وہاں سیاہ رنگ کا شیر بھی ہے جس کی گردن پر بڑے بڑے بال ہیں۔۔۔ اور اُتنا ہی طاقتور جتنے آپ۔۔۔ وہ ایک ہی وار میں اپنے دُشمن کو دُور پھینک دیتا ہے۔۔۔ اُس کے رہنے کی جگہ پہاڑوں میں ہے۔۔۔ کبھی کبھی چاندنی راتوں میں وہ پہاڑوں سے اُتر کر میدان میں آجاتا ہے اور پھر اُس کی گرج دار آواز سے زمین کانپنے لگتی ہے۔۔۔ اُس نے ہمارے بہت سے پالتو جانور ہڑپ کر لیے ہیں۔ لیکن وہ بھی میرے ابّی کی طرح اپنے علاقے کا بادشاہ ہے۔ اِس لیے سبھی اُس سے ڈرتے ہیں اور کسی نے اُسے ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیوں ابّی، وہ ابھی تک وہیں ہے نا؟“

”ہاں بیٹی وہ وہیں ہے۔“بُڈّھے نے جواب دیا۔ ”میرے یہاں آنے سے چند روز پہلے وہ ہماری ایک گھوڑی اُٹھا کر لے گیا ہے۔“

شیر کا ذکر سُن کر ٹارزن کو اپنی پچھلی زندگی یاد آ گئی اور اُس کے دِل میں اُس سے کُشتی لڑنے کا جوش پیدا ہوا۔ اُس نے بڑی مُشکل سے اپنا جوش دبایا اور بُڈّھے سے صرف اتنا کہا کہ ”میں ایک ضروری کام سے بُوسعدی جا رہا ہوں۔ اگر کبھی موقع ملا تو آپ کے علاقے میں ضُرور آؤں گا۔“

”کچھ دُور تک میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“بُڈّھے تاجر نے کہا۔ ”مجھے پتا چلا ہے کہ چند بدمعاش تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں اکیلا پا کر دوبارہ وار کریں۔ بُوسعدی کو جانے والا راستہ بڑا خطرناک ہے۔ وہاں اکثر وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔“

شیخ خضر کا کہنا صحیح نکلا۔ بُوسعدی کو جانے والی یہ سڑک بے حد خطرناک تھی۔ چند میل تک تو راستہ صاف نکلا، اُس کے بعد ڈھلانیں اور چڑھائیاں آنے لگیں۔ پھر ریتلا میدان شروع ہو گیا جس میں ٹارزن کے گھوڑے

کے پیر دھنسنے لگے۔ جب تیز ہوا کے جھکّڑ چلتے تو ریت اُن کی آنکھوں اور ناک میں گھُسنے لگتی۔ اُن سب نے اپنے چہرے نقابوں میں چھُپا لیے۔ صرف آنکھیں کھُلی رکھیں۔

ٹارزن، عبدل، بُڈّھے تاجر اور اُس کی بیٹی کے علاوہ اِس قافلے میں چار آدمی اور تھے جن کے پاس رائفلیں تھیں۔ یہ چاروں شیخ خضر کے محافظ تھے۔ ریگستان میں آہستہ آہستہ گرمی بڑھتی جا رہی تھی اور آسمان پر سورج کی چمک میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ٹارزن بار بار پانی کی چھاگل مُنہ سے لگاتا مگر چند منٹ بعد ہی اُس کے ہونٹ سُوکھ جاتے اور تالو چٹخنے لگتا۔ پسینے سے اُس کا چہرہ اور گردن بھیگ رہی تھی۔ چاروں طرف ریت ہی ریت تھی۔ کہیں کہیں ویران اور خُشک پہاڑی ٹیلے سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ اِس قافلے میں عبدُل سب سے پیچھے تھا۔ کبھی کبھی رُک کر وہ اِدھر اُدھر دیکھ لیتا اور پھر اطمینان سے آگے چل پڑتا۔ سب لوگ خاموشی سے گھوڑوں پر سوار بُو سعدی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ یکایک ٹارزن کے کانوں میں

عبدُل کی آواز آئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گھُڑسوار ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اُن کی تعداد چھ سے زائد نہیں۔“

قافلہ رُک گیا۔ شمال کی جانب، جہاں آسماں اور زمین ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے چند دھبّے حرکت کرتے دکھائی دیے۔

”میرے عزیز، یہ وہی تمہارے دُشمن ہیں۔“بُڈّھے نے کہا۔

”ممکن ہے وہی ہوں۔“ ٹارزن نے جواب دیا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو بھی پریشان ہونا پڑ رہا ہے۔ خیر، میں اگلے پڑاؤ پر رُک کر آنے والوں کا انتظار کروں گا اور اُن سے پوچھوں گا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ آپ اپنا سفر جاری رکھیے گا۔“

تاجر کے خُشک لبوں پر عجیب سی مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اُس نے کہا۔ ”اگر تم رُکو گے تو ہم بھی رُکیں گے۔ یہ ہرگز نہیں ہو گا کہ میں تمہیں اِن

بدمعاشوں کے حوالے کر کے خود آگے بڑھ جاؤں۔ میں اُس وقت تک تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک تم اپنے آدمیوں میں نہیں پہنچ جاتے۔"

پیچھا کرنے والے ابھی میلوں دور تھے۔ ٹارزن اور اُس کے ساتھیوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی تھی لیکن شمال کی جانب نظر آنے والے یہ چھ دھبّے بھی اُسی تیزی سے بڑے ہوتے چلے جارہے تھے۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ حملہ آوروں نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی ہے۔ ٹارزن کا خیال تھا کہ اگر یہ لوگ اِسی طرح پیچھا کرتے رہے تو سورج چھپنے سے پہلے پہلے اُن کے قریب آ جائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، دونوں گروہوں کے درمیان سارا دِن اُتنا ہی فاصلہ رہا جتنا پہلے تھا۔

تاجر نے کہا۔ "میں سمجھ گیا۔۔۔ وہ لوگ دِن کی روشنی میں حملہ کرنا نہیں چاہتے۔ رات کا انتظار کر رہے ہیں۔"

بُوسعدی ابھی بہت دُور تھا اور یہ رات اُنہیں صحرا ہی میں بسر کرنی تھی۔ دِن بھر کے تھکے ہوئے گھوڑوں کے مُنہ سے جھاگ اُڑ رہے تھے اور اُن کی

پیٹھ پر بیٹھے ہوئے انسانوں کی ہڈّیاں تھکن سے چُور چُور ہو رہی تھیں۔ اِس لیے قافلہ رُک گیا۔ اب پیچھا کرنے والے اتنے نزدیک آ گئے تھے کہ اُن کے سفید لبادے اور سیاہ نقاب صاف نظر آ رہے تھے۔

بُوڑھے سوداگر کے مشورے سے ٹارزن اور دوسرے آدمیوں نے ایک اُونچی سی چٹان کے پیچھے پڑاؤ کیا اور سب نے اپنے اپنے پستول اور رائفلیں سنبھال لیں۔ رات کی تاریکی کا سینہ چیرتے ہوئے چھ گھڑ سوار برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ جب وہ اُن سے ساٹھ سترّ گز دُور رہ گئے تو ٹارزن نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ٹھہرو۔۔۔۔ ورنہ میں فائر کرتا ہوں۔“

وہ فوراً رُک گئے۔ چند لمحے خاموشی طاری رہی پھر ایک دم وہ چھ کے چھ سوار اِدھر اُدھر گھوڑے دوڑاتے ہوئے غائب ہو گئے۔ شاید وہ آس پاس کے ٹیلوں کے پیچھے جا چھپے تھے۔ ٹارزن نے اپنے ساتھیوں کو ایک محفوظ جگہ پر جمع ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود ریت پر لیٹ کر کان لگا دیے۔ گھوڑوں کے چلنے سے آواز کی جو لہریں پیدا ہو رہی تھیں وہ اُس کے کانوں

سے ٹکرائیں۔ یہ لہریں مختلف سمتوں سے آرہی تھیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ دُشمن اُنہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اچانک ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی ٹارزن کے سر کے اُوپر سے گُزر گئی۔ اُس نے بھی فوراً اُسی جانب فائر کیا اور پھر تو جیسے چاروں طرف سے اولوں کی طرح گولیاں برسنے لگیں۔

بُوڑھا تاجر، عبدُل اور چاروں عرب محافظ ٹارزن کی مدد پر آ گئے تھے اور جدھر سے انہیں شعلہ سا نکلتا نظر آتا، اُدھر ہی فائر جھونک دیتے۔ تاجر کی لڑکی بھی پستول ہاتھ میں لیے تیّار کھڑی تھی۔ اچانک دُشمن کا ایک آدمی ٹیلے کے پیچھے سے نکل کر دوسرے جانب دوڑا۔ ٹارزن کی آنکھوں نے اُس کا پیچھا کیا۔ پھر اُس کی رائفل چلی اور فوراً ہی بھاگنے والا شخص ڈھیر ہو گیا۔

"وہ مارا۔۔۔" عبدُل خوشی سے چلّایا۔ مگر دوسرے ہی لمحے دُشمن کی ایک گولی اُس کا کان چھوتی ہوئی نکل گئی۔ اگر ٹارزن نے دھکا دے کر اُس کو پرے نہ پھینکا ہوتا تو دوسری گولی اُس کا بھیجا پھاڑتی ہوئی نکل جاتی۔

دُشمنوں کا گھیرا برابر تنگ ہوتا جا رہا تھا اور خطرہ تھا کہ اُن کی زبردست فائرنگ کسی کی جان نہ لے لے۔ ٹارزن حیرت انگیز پھُرتی کے ساتھ ٹیلے سے باہر نکلا۔ اب اُس کے دونوں ہاتھوں میں دو پستول تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دُشمن کے ایک اور آدمی نے اپنے گھوڑے پر سے قلابازی کھائی اور دھم سے نیچے گِرا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گرنے والا یہ شخص اُن بدمعاشوں کا سردار تھا۔ جونہی وہ گِرا باقی چاروں آدمی گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اُسی سڑک پر واپس بھاگ گئے جو عیشیہ کو جاتی تھی۔

فضا میں چاروں طرف گرد و غبار کا بادل چھایا ہوا تھا جس کے باعث دیر تک کچھ معلوم نہ ہوا کہ کون بچا، کون مرا۔ تھوڑی دیر بعد شیخ خضر کی آواز سُنائی دی۔ وہ ٹارزن اور عبدُل کو آوازیں دے رہا تھا۔ گولیوں کا مینہ برسنے کے باوجود اُن کے کسی شخص کے جسم پر خراش تک نہ آئی تھی۔ دُشمن کے وہ دونوں آدمی مرے پڑے تھے اور اُن کے گھوڑے ابھی تک وہیں بھٹک رہے تھے۔ آخر اُن کو شیخ خضر کے آدمیوں نے پکڑ لیا۔

”خُدا جانے اِن لوگوں کا مقصد کیا تھا۔“ شیخ خضر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

دو روز بعد یہ چھوٹا سا قافلہ بُو سعدی کے سامنے پہنچ گیا۔ یہاں شیخ خضر بن حضر نے ٹارزن کو گلے لگایا اور اپنے ہاں آنے کی دعوت دے کر رُخصت ہو گیا۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور خود شیخ بھی بہت اُداس دکھائی دیتا تھا۔ ٹارزن نے وعدہ کیا کہ جونہی اُسے موقع ملا وہ اُن سے ملنے آئے گا۔ پھر اُس نے لڑکی سے کہا۔ ”ہاں، اپنے اُس شیر کا خیال رکھنا۔ میں اُس سے دو دو ہاتھ کر کے بہت خوش ہوں گا۔“

لڑکی مُسکرائی اور کہنے لگی۔ ”ہمارے شیر سے مُقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں۔ خیر، ہماری طرح وہ بھی آپ کا انتظار کرے گا۔“

# شیر کا شکار

عیشیہ سے بُو سعدی کہیں زیادہ بڑا اور خوبصورت قصبہ تھا۔ یہاں پہنچتے ہی ٹارزن کو معلوم ہو گیا کہ جرنوس اور اُس کے سپاہی کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا اِس لیے اپنے دوست کیپٹن جیراڈ سے ملاقات اگلے روز پر اُٹھا رکھی اور ایک ہوٹل میں جا کر ایک کمرہ کرائے پر لیا۔ پھر غُسل خانے میں جا کر نہایا اور نیا لباس پہن کر کھانے کے کمرے میں آ گیا۔ اِس ہوٹل میں دو کھانے کے کمرے تھے۔ اور اُن کے درمیان شیشے کا دروازہ تھا۔ دونوں کمروں میں بیٹھے ہوئے لوگ اچھّی طرح ایک دوسرے

کو دیکھ سکتے تھے۔ اُن کے ساتھ ہی ایک اور کمرہ بھی تھا لیکن یہ صرف فوجی افسروں کے لیے تھا۔ کھانے کے کمرے میں بیٹھے ہوئے آدمی آسانی سے دیکھ سکتے تھے کہ فوجی افسروں کے کمرے میں کون بیٹھا ہے، لیکن اِس کمرے میں بیٹھنے والوں کو کھانے کے کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ نظر نہ آتے تھے۔

ٹارزن کھانے کے کمرے میں داخل ہوا تو اُس کی نظر ساتھ والے کمرے پر پڑی۔ وہاں جرنوس بیٹھا ہوا تھا اور کسی سوچ میں گُم تھا۔ چند لمحے بعد وہی کوٹ پتلون والا یورپی کمرے میں داخل ہوا جسے ٹارزن نے عیشیہ میں دیکھا تھا۔ اُس نے جرنوس سے چُپکے چُپکے کُچھ باتیں کیں اور رُخصت ہو گیا۔ اُس کے جاتے ہی جرنوس بھی اُٹھا اور ہوٹل سے باہر نکل گیا۔ اُس نے ٹارزن کو نہیں دیکھا۔ کھانا کھا کر ٹارزن اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ایک دِن اچانک ٹارزن کو ایک خط ملا۔ یہ کئی جگہوں سے پھرتا پھراتا آیا تھا۔ اُس نے لفافہ کھُول کر دیکھا۔ خط کے نیچے ڈارنوٹ کے دستخط تھے اور اس میں لکھا تھا۔

"عزیز دوست ٹارزن

معاف کرنا اتنے دِن بعد تمہیں یاد کر رہا ہوں۔ اصل میں مَیں ایک ضروری کام کے سلسلے میں لندن چلا گیا تھا۔ تین دِن وہاں رہا۔ پہلے ہی روز تمہارے ایک پرانے دوست سے ملاقات ہوئی۔ بھلا بتاؤ تو وہ کون تھا؟۔۔۔ نہیں یاد آیا؟ مُجھ سے سُنو اور حیران ہو جاؤ۔ وہ شخص مسٹر فلینڈر کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ وہ زبردستی مُجھے اُس ہوٹل میں لے گیا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا اور وہیں میں نے اُن سب کو بھی دیکھا۔۔۔ ذرا سوچو کِن کِن کو۔۔۔؟ اور کیا نام ہے اُس حبشن کا۔۔۔۔ جو مِس جین کی خادمہ ہے۔۔۔ خیر وہ بھی وہاں موجود تھی۔ اتنے میں وِلیم بھی آ گیا۔ معلوم ہوا کہ ولیم اور جین کی شادی ہونے والی ہے۔

تھوڑی دیر بعد مسٹر فلینڈر مُجھے ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے کہ شاید جین اور ولیم کی شادی نہ ہو سکے۔ کیونکہ جین، ولیم کو پسند نہیں کرتی۔ وہ پہلے بھی تین مرتبہ کسی نہ کسی بہانے یہ شادی ٹال چکی ہے۔ البتّہ پروفیسر

صاحب کی خواہش ہے کہ جین، ولیم ہی سے شادی کرے کیونکہ وہ نوّاب ہے اور اُس کے پاس بے اندازہ دولت ہے۔

اس کے بعد انہوں نے تمہارا ذکر چھیڑا اور پوچھا کہ مسٹر ٹارزن کہاں ہیں؟ میں نے اُنہیں کچھ زیادہ نہیں بتایا۔ صرف اتنا کہا کہ ٹارزن آج کل ایک خاص مہم پر شمالی افریقہ گیا ہوا ہے۔ جین نے تمہارے بارے میں مُجھ سے بہت سی باتیں کیں۔ لیکن جب میں نے ولیم کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ جین کی زبان سے تمہارا ذکر سُن کر اُسے خوشی نہیں ہوئی۔ ولیم کا ایک مالدار دوست ہے ٹینگٹن ۔ وہ اپنے ایک بحری جہاز میں تفریح کے لیے افریقہ جانے والا ہے۔ وہاں سب لوگوں کو بھی اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ ولیم نے مجھ سے بھی کہا مگر میں نے ٹال دیا۔

اُمید ہے تم خیریت سے ہوگے۔

تمہارا دوست ڈارنوٹ"

تین ہفتے گزر گئے۔ اِس دوران میں ٹارزن کوشش کے باوجود معلوم نہ کر سکا کہ اُس پُراسرار یورپی اجنبی اور جرنوس کا آپس میں کیا تعلّق ہے اور وہ شخص رہتا کہاں ہے۔ ٹارزن نے کئی بار چھُپ چھُپ کر جرنوس کی نگرانی کی اور اُسے اُس اجنبی سے بار بار ملاقاتیں کرتے دیکھا۔

کئی بار ہوٹل کے کھانے کے کمرے میں ٹارزن اور جرنوس کی مُڈبھیڑ ہوئی مگر سلام دعا کے سوا بات چیت کی نوبت نہ آئی۔ ٹارزن نے محسوس کیا کہ جرنوس اُس سے الگ تھلگ ہی رہنا چاہتا ہے۔ چونکہ ٹارزن نے اپنے آپ کو شکاری بتایا تھا۔ لوگوں کو دِکھانے کے لیے روزانہ رائفل سنبھال کر قصبے سے باہر چلا جاتا۔ پہاڑیوں اور جنگل میں گھومتا اور کبھی کبھی ہرن وغیرہ بھی مار لاتا۔

ایک دِن وہ ایک وادی میں سے گزر رہا تھا کہ کسی شخص نے اُس پر بلندی سے فائر کیا۔ گولی اُس کے ہیٹ میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی۔ اُس نے سر اُٹھا کر فائر کرنے والے کو دیکھنا چاہا مگر اُسے کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ اُسی

رات اُس کی ملاقات کیپٹن جیراڈ سے کھانے کی میز پر ہوئی۔

کیپٹن نے کہا۔ ”شاید آپ بور ہو رہے ہیں۔ اِس علاقے میں بڑا شکار نہیں ملتا۔“

”آپ کا کہنا صحیح ہے۔“ ٹارزن نے جواب دیا۔ ”یہاں پرندوں اور ہرنوں کے سوا اور کوئی جانور دِکھائی نہیں دیتا۔ سوچ رہا ہوں کہ جنوب کی طرف چل پڑوں۔ سُنا ہے کہ اُس علاقے میں گھنے جنگل ہیں جن میں شیر اور چیتے بہت سے ہیں۔“

”بہت خوب۔“ جیراڈ خوشی سے چیخ اُٹھا۔

”ہم لوگ کل خود ذلفہ کی جانب کوچ کرنے والے ہیں۔ ہیڈ کوارٹر کی جانب سے ہمیں فوراً وہاں پہنچنے کا حکم ملا ہے۔ میں، جرنوس اور دوسرے افسر سپاہیوں کو لے کر کل ذلفہ کی طرف چل پڑوں گا۔ سُنا ہے وہاں باغیوں نے اُودھم مچا رکھا ہے۔ مجھے خود شیر کے شکار کا شوق ہے۔ ہم دونوں کسی روز شیر کی تلاش میں نکلیں گے۔“

ٹارزن یہ سُن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ جرنوس بھی ذلفہ جا رہا ہے لیکن اُس نے اُس مسرّت کو جیراڈ پر ظاہر نہ کیا کیونکہ دوسری ہی میز پر جرنوس بیٹھا تھا۔ اُس نے جیراڈ کی باتیں سُنی تھیں اور اندر ہی اندر غصّے سے کھول رہا تھا۔

اُس رات ٹارزن شہر کی سیر کو نکلا اور پھرتا پھِرتا ایک تھیٹر کے قریب جا پہنچا۔ یہاں اُس نے جرنوس کو چھ سات مقامی باشندوں کے ساتھ ایک جگہ کھڑے دیکھا۔ جرنوس اُن لوگوں کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ ایک دو بار "گورے امریکی شکاری" کے الفاظ اُس کے کانوں میں پڑے تو اُس نے جانا کہ جرنوس اُسی کا ذکر کر رہا ہے۔ ٹارزن اُن لوگوں کے چہرے نہیں دیکھ سکا۔ وہ جونہی ٹہلتا ہوا قریب پہنچا جرنوس اُن سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگا۔ پھر وہ ٹارزن کو دیکھ کر آگے بڑھا اور ہاتھ ملا کر رُخصت ہو گیا۔ اُس کے جاتے ہی یہ لوگ بھی اِدھر اُدھر کھِسک گئے۔ ٹارزن سمجھ چکا تھا کہ جرنوس نے اُس کے خلاف ایک اور خطرناک سازش کی ہے اور اب اُسے

چوکنّارہ کر سفر کرنا پڑے گا۔ صُبح سویرے فوجی افسر اپنی کمپنی کے سپاہیوں کو لے کر ذلفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ٹارزن جیراڈ کے ساتھ تھا۔ دوپہر کو یہ لوگ ایک بستی میں پہنچے جہاں اُونٹوں اور بکروں کی کھالوں کے بنے ہوئے کئی سو خیمے لگے ہوئے تھے۔ بستی کے شیخ نے اُن سب کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ شام کو اُس نے جیراڈ کو بتایا کہ روزانہ رات کو اُس کی بکریاں غائب ہو جاتی ہیں اور کئی گڈریے بھی مارے جا چکے ہیں۔ کیپٹن کا خیال تھا کہ یہ حرکتیں انہی باغیوں کی ہیں جو پہاڑوں میں چھُپے ہوئے ہیں۔ اگلے روز صُبح اُس نے اپنی کمپنی کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّے کی کمان جرنوس کو سونپی اور دوسرے کی اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اُس کا پروگرام یہ تھا کہ دو مخالف سمتوں میں باغیوں کو تلاش کیا جائے۔ اُس نے ٹارزن سے پوچھا۔

"آپ کس پارٹی میں شامل ہونا پسند کریں گے؟ باغیوں کو تلاش کرنے کی مہم میں ہمارا ساتھ دینا چاہتے ہیں یا آپ کو صرف شکار ہی سے دلچسپی

ہے؟"

ٹارزن تو دل سے چاہتا تھا کہ وہ جرنوس کی پارٹی میں شامل ہو لیکن اس کے لیے کوئی وجہ اس کے ذہن میں نہ آتی تھی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ جرنوس نے کیپٹن جیراڈ سے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اِن کو اپنی پارٹی میں شامل کرلوں۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" جیراڈ نے ہنس کر کہا۔ "اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔"

دونوں پارٹیاں اپنے اپنے راستوں پر مخالف سمتوں میں چلنے لگیں۔ ٹارزن اب پوری طرح چوکنّا تھا۔ اُسے خوب معلوم تھا کہ جرنوس لومڑی کی مانند چالاک اور مکّار ہے اور اُس نے اپنے ساتھ چلنے کی جو دعوت دی ہے اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ دو گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ایک خوبصورت اور سرسبز وادی کے اندر داخل ہوئے جس کے دونوں طرف اُونچی اُونچی پہاڑیاں تھیں۔ یہاں جرنوس نے اپنے دستے کو رُکنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں

نے کھانا کھایا، تھوڑی دیر آرام کیا اور تازہ دم ہو کر دوبارہ چلنے کے لیے تیّار ہو گئے۔ جرنوس نے اب سب کو مخاطب کر کے یوں تقریر کی۔ ”میرا خیال ہے کہ باغیوں میں سے بہت سے آدمی انہی پہاڑوں کے اندر کہیں چھُپے ہوئے ہیں۔ ہمیں انہیں گھیرے میں لے کر یا تو گرفتار کرنا ہو گا یا پھر اُنہیں ہلاک کر دیں گے۔“

اُس نے اپنے دستے کو چار حصّوں میں تقسیم کر کے اِدھر اُدھر پھیل جانے کی ہدایت کی اور جب یہ سپاہی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ ٹارزن سے کہنے لگا۔

”آپ یہیں ٹھہریے۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ جاؤں گا۔“

”لیکن۔۔۔ لیکن۔“ ٹارزن نے کہا۔ ”میں بھی آپ کی مدد کروں گا۔ اِسی لیے تو آپ کے ساتھ آیا ہوں۔ آپ مجھے اپنا ماتحت سمجھیے۔“

”آہا۔۔۔ تب ٹھیک ہے۔“ جرنوس کہنے لگا۔

”اچھا تو آپ کے لیے میرا حکم یہ ہے کہ میری واپسی تک یہیں ٹھہرے رہیں۔“

یہ کہتے ہی اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ٹارزن کو حیران پریشان اِس جنگل میں اکیلا چھوڑ کر ایک جانب روانہ ہو گیا۔ ٹارزن چند لمحے تک کچھ سوچتا رہا، پھر گھوڑے سے اُترا۔ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ جرنوس کوئی چال چلنے کی فکر میں ہے اور کچھ عجب نہیں کہ اُس کے وہ چھ سات عرب ساتھی یہیں کہیں چھُپے ہوئے ہوں۔ یہ سوچتے ہی ٹارزن نے اپنی رائفل کو دیکھا۔ اُس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں، پھر اُس نے اپنے پستول کا معائنہ کیا۔ وہ بھی ٹھیک ٹھاک تھا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر وہ اُن غاروں اور درّوں کا جائزہ لینے لگا جن کے اندر وہ دُشمن کے حملے کی صورت میں پناہ لے سکتا تھا۔ اُس نے آپ ہی آپ بُڑبُڑا کر کہا۔ جرنوس کتنی ہی کوشش کرے مجھ پر آسانی سے قابو نہ پا سکے گا۔ میں اُسے اچھی طرح اِن شرارتوں کا مزہ چکھا دوں گا۔

دِن ڈھل گیا۔ شام کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں تیزی آ گئی۔ تاریکی چاروں طرف سے اُمڈنے لگی۔ سورج آہستہ آہستہ مغربی پہاڑوں کی اوٹ میں اُترنے لگا اور پھر رات ہو گئی۔ لیکن جرنوس کا کہیں پتا نہ تھا۔ ٹارزن وہیں بیٹھا رہا۔ وہ جرنوس سے وعدہ کر چُکا تھا کہ اُس کا حکم مانے گا۔

وہ جنگل کا بادشاہ تھا۔ اُس کی پیدائش گھنے جنگلوں میں ہوئی تھی اور اُس کا بچپن اور جوانی کا بڑا حصّہ بھی جنگل ہی میں بسر ہوا تھا۔ وہ رات کی تاریکی میں بھی شیر اور چیتے کی مانند بخوبی دیکھ سکتا تھا اور جنگل میں کہیں دُور پیدا ہونے والی ذراسی آہٹ بھی اُس کے کانوں تک آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ اُس نے اطمینان اور سکون سے درخت کے تنے سے ٹیک لگائی اور گہری نیند سو گیا۔

نہ جانے وہ کتنی دیر سویا۔ شاید کئی گھنٹے۔ کیونکہ جب وہ سویا تو جنگل میں گھُپ اندھیرا تھا اور جب جاگا تو آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور اُس کی روپہلی روشنی میں پہاڑ، وادی اور جنگل نہا رہے تھے۔ آنکھ یوں کھلی کہ اُس کا گھوڑا

زور زور سے اپنے پیر زمین پر مار رہا تھا جیسے وہ کسی خطرے میں گھِر گیا ہو۔ ٹارزن نے سانس روک لیا اور کان اُس آواز پر لگا دیے جو دائیں جانب سے آ رہی تھی۔ یہ ایک مدھم آواز تھی جسے صرف اُس کے کان ہی سُن سکتے تھے۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے خشک پتّوں پر کوئی انسان یا جانور دبے پاؤں قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اور پھر ٹارزن نے اُسے دیکھ لیا۔ یہ ایک جوان شیر تھا جس کی دہکتے ہوئے کوئلوں کی مانند سُرخ آنکھیں ٹارزن کے گھوڑے پر جمی تھیں۔ اُس کی دُم آہستہ آہستہ دائیں بائیں حرکت کر رہی تھی اور جبڑا بھیانک انداز میں کھُلا ہوا تھا۔ ٹارزن اور اُس کا درمیانی فاصلہ مُشکل سے پندرہ سولہ فٹ کا ہو گا۔

چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف گھورتے رہے۔ شیر کی آنکھیں مشعل کی طرح روشن تھیں۔ یکایک اُس کا جبڑا کھُل گیا، دُم اور تیزی سے گردش کرنے لگی۔ اُس نے اپنی گردن جھکائی اور اُس کا زور زور سے ہلتا ہوا پیٹ زمین کو چھُونے لگا۔ اب وہ ٹارزن پر چھلانگ لگانے کے لیے بالکل تیّار

تھا۔ ٹارزن کو افسوس اِس بات کا تھا کہ شیر کا مُقابلہ رائفل سے کرنا پڑے گا اور یہ کوئی بہادری کی بات نہیں۔ کاش اُس کے پاس تِیر کمان، بھالا یا خنجر ہی ہوتا تب مزہ آتا۔ جنگل کی دُنیا میں وہ ہمیشہ انہی ہتھیاروں سے اپنے دُشمنوں کا مُقابلہ کیا کرتا تھا اور بعض وقت تو اُس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ ہوتا۔ اِس صورت میں وہ خالی ہاتھوں ہی دُشمن کو مار ڈالتا۔

ایک ہولناک گرج کے ساتھ شیر اُچھل کر ٹارزن کی طرف آیا۔ لیکن ٹارزن اُس سے بھی زیادہ پھُرتیلا تھا۔ وہ اُچک کر ایک جانب ہٹ گیا اور شیر کا سر بُری طرح درخت کے تنے سے ٹکرایا۔ اب وہ ایسی ہیبت ناک آواز میں دھاڑا کہ جنگل اور پہاڑ اُس کی گرج سے کانپنے لگے اور گنجان درختوں کے اُوپر بسیرا کرنے والے ہزاروں پرندے خوف زدہ ہو کر فضا میں چکّر کاٹنے لگے۔

ٹارزن نے رائفل سیدھی کی، شیر کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ ایک دھماکے کے ساتھ گولی شیر کے بائیں کندھے میں لگی۔ وہ اُلٹ کر گِرا اور

زمین پر لوٹنے لگا۔ زخمی ہونے کے بعد اُس کے غصّے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُس نے پھر جست کی اور ٹارزن کی طرف لپکا۔ مگر دُوسرے ہی لمحے ٹارزن کی رائفل نے ایک اور گولی اُگل دی جو سیدھی اُس کی کھوپڑی میں لگی۔ اب کے وہ ایسا گِرا کہ پھِر نہ اُٹھ سکا۔

ٹارزن نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔ اُس وقت ٹارزن کی حالت بالکل وحشی درندے کی سی تھی اور وہ انسان معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہ اُس کی عادت تھی کہ جب دُشمن کو مار ڈالتا تو فتح کا نعرہ لگاتا۔ اُس کے نعرے کی آواز پہاڑوں کے اندر سفر کرتے ہوئے چھ سواروں نے سُنی جو سفید لبادے پہنے ہوئے تھے اور جن کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ وہ رُک گئے اور کہنے لگے کہ وہ شخص جس کی تلاش میں اِدھر آ رہے تھے، کہیں یہ فائر اُسی نے تو نہیں کیے۔ انہیں یہ سمجھنے میں کچھ زیادہ دِقّت نہ ہوئی کہ یہ شخص ٹارزن ہی تھا۔ وہ اُسی کو ڈھونڈ رہے تھے۔

ٹارزن سمجھ چکا تھا کہ جرنوس اُسے جان بوجھ کر اِس خوفناک وادی میں تنہا چھوڑ گیا ہے اور وہ واپس نہ آئے گا۔ یہاں بیٹھے رہنا اب حماقت ہے۔ ویسے بھی مشرق کی جانب سے روشنی پھوٹنے لگی تھی اور تھوڑی دیر بعد صُبح ہونے والی تھی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کا گھوڑا شیر سے جنگ کے دوران میں باگ تُڑا کر نہ جانے کہاں بھاگ نکلا تھا۔ وہ اُس کی تلاش میں روانہ ہوا۔

ابھی دو فرلانگ ہی گیا ہو گا کہ ایک پہاڑی راستے کی اوٹ سے چھ سوار نکلے اور سیدھے اُس طرف آئے جہاں تھوڑی دیر پہلے ٹارزن کا شیر سے مُقابلہ ہوا تھا۔ یکایک اُن میں سے ایک شخص کی نظر مرے ہوئے شیر پر پڑی۔ وہ آہستہ آہستہ اُس کے نزدیک گئے۔ اتنا طاقتور اور بڑا شیر انھوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ اُس کی خون میں لت پت لاش کو حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے گھوڑوں کو درخت سے باندھا اور پھُونک پھُونک کر قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ انہیں یقین تھا

کہ اِس شیر کو ٹارزن ہی نے ہلاک کیا ہے اور وہ ٹارزن کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ انہیں کسی شخص نے اس کام پر مقرّر کیا تھا۔

# گرفتاری

ٹارزن چلتے چلتے یکایک رُک گیا۔ اُسے احساس ہوا کہ اُس نے کوئی آواز سُنی ہے۔ شاید کوئی درندہ ہو۔۔۔ چیتا؟۔۔۔ لیکن یہ آواز چیتے کی نہیں ہو سکتی۔۔۔ ارے!۔۔۔ اب سمجھا۔۔۔ یہ انسانی پیروں کی آواز ہے۔۔۔ چند آدمی چُپکے چُپکے میرا پیچھا کر رہے ہیں۔۔۔ اور پھر اس کو چھ سفید لبادے پہنے ہوئے آدمی یاد آئے جو تھیٹر کے نزدیک کھڑے جرنوس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔

ٹارزن کا مضبوط ہاتھ رائفل کے دستے پر پہنچ گیا۔ آنے والوں کے قدموں کی چاپ اب اور نزدیک آگئی تھی۔ ٹارزن نے گھوم کر اُس طرف دیکھا۔ جھاڑیوں کے پاس اُسے چھ سفید لبادے چمکتے نظر آئے۔ اِس سے پہلے کہ وہ فائر کرے دوسری جانب سے کسی آدمی کی رائفل نے شُعلہ اُگل دیا اور ٹارزن دھم سے مُنہ کے بل زمین پر گر گیا۔

حملہ آور اس کے قریب نہ آئے۔ شاید ڈرتے تھے کہ اُس کی یہ بے ہوشی فریب نہ ہو۔ لیکن جب خاصی دیر گُزر گئی تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور ٹارزن کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص نے جھُک کر اُس کو دیکھا، اُسے زور لگا کر سیدھا کیا۔ پھر دِل کی دھڑکن چھاتی سے کان لگا کر سُنی اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”یہ ابھی زندہ ہے۔“

یہ سُنتے ہی دوسرے آدمی نے اپنی رائفل کی نال ٹارزن کی کھوپڑی پر لگا دی اور لبلبی دبانا ہی چاہتا تھا کہ تیسرے شخص نے ڈانٹ کر کہا۔ ”ٹھہرو! اگر ہم اِس شخص کو زندہ پکڑ کر لے چلیں تو انعام زیادہ ملے گا۔“

"بات تو ٹھیک کہتے ہو۔" اُس کے ساتھیوں نے خوش ہو کر گردنیں ہلائیں۔ اُنھوں نے ٹارزن کو رسیوں سے اچھی طرح باندھ لیا اور ایک گھوڑے پر ڈال کر لے چلے۔ ٹارزن کی پیشانی سے خُون بہ رہا تھا۔ شاید گولی پیشانی کو چھوتی ہوئی نکل گئی تھی۔ راستے میں اُسے ہوش آیا تو اُس نے اپنے آپ کو گھوڑے پر بندھا ہوا پایا۔

سورج نکلنے کے بعد وہ ایک جگہ ٹھہرے اور ناشتہ کرنے لگے۔ اُنھوں نے ٹارزن کو صرف دو گھونٹ پانی کے پلائے اور بس۔۔۔۔ اُس نے کئی بار اُن سے پوچھنے کی کوشش کی کہ وہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں مگر جواب دینے کی بجائے وہ اُسے لاتوں اور گھونسوں سے پیٹنے لگے۔

ناشتہ کرنے اور ایک گھنٹہ ستانے کے بعد یہ قافلہ اپنے قیدی کو لے کر آگے روانہ ہوا اور چھ گھنٹے کے سفر کے بعد ایک نخلستان میں جا پہنچا۔ یہاں دو ڈھائی سو خیمے لگے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عرب خانہ بدوشوں کا کوئی بڑا قبیلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ ان لوگوں کی آمد پر بستی میں ہل

چل مچ گئی اور خیموں کے اندر سے عورتیں، مرد اور بچّے نکل نکل کر ٹارزن کے گرد جمع ہونے لگے۔ وہ سب حیرت سے اِس دیو جیسے شخص کو دیکھ رہے تھے۔ اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے شیر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہو۔

ٹارزن کو پکڑ کر لانے والوں کے اشارے پر بچّوں نے ٹارزن پر پتھّر پھینکنے شروع کیے اور عورتیں قہقہے لگا لگا کر تھوکنے لگیں۔ ایسا غُل غپارہ مچا کہ خُدا کی پناہ۔۔۔ ٹارزن نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ چُپ چاپ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اتنے میں ایک لمبا تڑنگا بوڑھا شخص ٹارزن کے پاس آیا۔ اُس نے ایک نظر ٹارزن کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور اُس نے حملہ آوروں میں سے ایک شخص سے کہا۔ ”مجھے ابھی ابھی ایک آدمی نے بتایا ہے کہ تمہارا قیدی بڑا شہ زور اور بہادر اِنسان ہے۔ اُس نے کل رات ایک شیر کو ہلاک کیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟“

”شیخ نے صحیح سُنا ہے۔“ اُسے جواب ملا۔

”آہ۔۔۔ تب تو اس بہادر آدمی سے اچھا سلوک کیا جانا چاہیے۔“ شیخ نے خوش ہو کر کہا۔ ”معلوم نہیں تم لوگ اِس بہادر شخص کو پکڑ کر کس لیے لائے ہو۔ یہ تُم جانو اور تمہارا کام۔ لیکن یہ میں ہر گز بر داشت نہیں کر سکتا کہ اس شخص پر سختی کی جائے۔“

شیخ کے حکم پر ٹارزن کو ایک بڑے خیمے میں لے جایا گیا جو بکریوں کی کھال سے بنایا گیا تھا۔ یہاں اُسے بھُنا ہوا گوشت کھانے کو دیا گیا۔ پھر شیخ کے اشارے پر ایک خادم اُون کا نرم گدّا لے آیا۔ ٹارزن اِس گدّے پر لیٹ گیا۔ اُس کے ہاتھ پیر اب بھی بندھے ہوئے تھے اور خیمے کے باہر ایک پہرے دار بھی کھڑا تھا۔ ان حالات میں بھاگ نکلنا ممکن نہ تھا۔

سورج ڈوبنے سے کچھ دیر پہلے خیمے میں دو آدمی گھُس آئے۔ وہ عربی لباس پہنے ہوئے تھے۔ ٹارزن اُن کی طرف دیکھنے لگا اور پھر جیسے اُس کی کنپٹیاں سُرخ ہونے لگیں اور جسم کی ساری رگوں کا خُون کھنچ کر دماغ میں آ گیا۔ اُن میں سے ایک شخص وہی یورپی تھا جسے اُس نے عیشیہ میں اور پھر بو

سعدی میں جرنوس سے کاناپھُوسی کرتے دیکھا تھا مگر اب وہ کوٹ پتلون کے بجائے عربی لباس پہنے ہوئے تھا۔

"مسٹر رو کُوف، میرے خیال میں تو اِسے مار ہی ڈالنا چاہیے۔" ایک شخص نے اُس اجنبی یورپی کو مخاطب کر کے کہا۔

"نہیں، پال وِچ۔" رو کُوف بولا۔ "ابھی ہاتھ نہ اُٹھانا۔"

چند لمحے تک رو کُوف اور ٹارزن ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ ٹارزن کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ رو کُوف کے ہونٹوں پر شیطانی مُسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ پھر وہ ایک قدم ٹارزن کی طرف بڑھا اور بولا۔ "اُٹھ کُتّے۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے پوری طاقت سے اپنے بُوٹ کی ٹھوکر ٹارزن کے مُنہ پر ماری۔ ٹارزن کا منہ دوسری طرف پھر گیا مگر اُس کے حلق سے آواز نہ نکلی۔ یہ دیکھ کر رو کُوف اور بپھر گیا۔ اب اُس نے ایک کے بعد ایک کئی ٹھوکریں ٹارزن کے منہ پر ماریں۔ یہاں تک کہ اُس کا چہرہ خُون سے تر ہو گیا۔ ممکن ہے رو کُوف ٹھوکریں مار مار کر اُس کو ہلاک کر دیتا لیکن عین اُسی

وقت قبیلے کا شیخ آگے بڑھ کر چلّایا۔

"میں اس بزدلی کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ ایک مجبور آدمی کو یوں ٹھوکریں مارنا شرافت ہے نہ بہادری۔ اس سے بہتر ہے کہ تم اس شخص کو گولی مار کر ہلاک کر دو۔ میں اپنی موجودگی میں اس بہادر شخص کی یہ دُرگت بنتے نہیں دیکھ سکتا جس نے تن تنہا ببّر شیر کو مار ڈالا ہو۔ کیا ارادہ ہے؟ میں اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیتا ہوں۔ تم اِس سے لڑو گے؟"

روکُوف شیخ کی یہ باتیں سُن کر پیچھے ہٹ گیا۔ چند لمحے تک ٹارزن کو گھورنے اور دانت پیسنے کے بعد بولا۔ "میں اس ذلیل اور حقیر شخص سے لڑنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ ہاں آپ کی یہ رائے مجھے پسند آئی ہے کہ اسے گولی مار کر ہلاک کر دوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے پستول نکال لیا مگر شیخ نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ "خبر دار، تم میرے قبیلے کی حد کے اندر اسے مار نہیں سکتے۔ میرا اس شخص سے کوئی جھگڑا نہیں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے میرے علاقے میں

مارا جائے۔ یہ یہاں سے زندہ جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ میرے آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے تاکہ تم میرے علاقے میں یہ بزدلی نہ دکھانے پاؤ۔"

یہ کہہ کر شیخ نے نفرت سے روکُوف کو دیکھا اور پھر اپنی اُنگلی اُس کی گردن پر پھیر کر بولا۔ "اور اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو یاد رکھنا، یہ گردن یہیں سے کاٹ دی جائے گی۔"

روکُوف خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔ "بہت اچھا، آج کی رات قیدی یہیں رہے گا۔ صُبح سورج نکلنے کے بعد میں اِسے لے کر آپ کے علاقے سے چلا جاؤں گا۔"

باہر جانے سے پہلے روکُوف خیمے کے دروازے کے پاس رُکا اور ٹارزن کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔ "تمہاری زندگی کی یہ آخری رات ہے۔۔۔ خوب آرام سے سو۔۔۔ کل دوپہر تک تمہاری لاش کو گِدھ نوچ نوچ کر کھا رہے ہوں گے۔"

شیخ کی مہربانی کی وجہ سے اُس وقت ٹارزن کی جان بچ گئی ورنہ وہ موذی روکُوف اور اُس کا سنگ دِل ساتھی پال وِچ ضرور اُسے مار ڈالتے۔ خیمے کے باہر اب بھی روکُوف کا ایک آدمی رائفل ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا۔ ٹارزن نے کئی بار اُس سے پانی مانگا مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔

آدھی رات گُزر چکی تھی کہ یکایک شیر کی دھاڑ سُن کر ٹارزن کی آنکھ کھُل گئی۔ پہلے تو اُس نے سوچا کہ کوئی خواب دیکھا ہے لیکن فوراً ہی اُسے پتا چل گیا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ دائیں جانب سے شیر کے ہانپنے کی آواز آرہی تھی۔ اُس نے باہر کھڑے ہوئے پہرے دار کو پُکارا، مگر کوئی جواب نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ شیر کی آواز سُن کر بھاگ گیا ہے۔

دیر تک شیر کے ہانپنے کی آواز ٹارزن کے کانوں میں آتی رہی۔ ظالموں نے اُسے اتنی مضبوط رسیوں میں جکڑا تھا کہ وہ کسی طرح بھی آزاد نہ ہو سکتا تھا۔ اُف! یہ موت کیسی بے بسی کی موت ہو گی۔۔۔ کاش اس کے ہاتھ ہی کھُلے ہوتے تب وہ جنگل کے بادشاہ کا انہیں ہاتھوں سے گلا گھونٹ دیتا۔ اُس

نے اندازہ لگایا کہ شیر اُس کے خیمے سے کچھ زیادہ دُور نہیں ہے۔ شاید وہ خوراک کی تلاش میں پہاڑوں سے نکل کر اِدھر آیا ہے اور اگر اُسے کوئی جانور نہ ملا تو پھر۔۔۔ پھر وہ کسی انسان ہی کو اُٹھا لے جائے گا۔۔۔ معلوم ہوتا ہے وہ بہت دیر سے شکار تلاش کر رہا ہے اور بے حد بھوکا ہے کیونکہ اس کی آواز میں غصّے اور ناراضی کی جھلک صاف محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک ٹارزن کے خیمے کی ایک دیوار زور سے ہِلی اور اُس کا کلیجا اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ شیر آن پہنچا۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ یہ تو کوئی اور جاندار شے تھی۔۔۔ جو چُپکے چُپکے خیمے کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھی۔ شیر اگر اتنے قریب ہوتا تو اُس کے جسم کی بُو ضرور ٹارزن کے نتھنوں میں پہنچ جاتی۔ لیکن یہ بُو تو کسی انسان کے جسم کی تھی۔

وہ سانس روکے اس پُراسرار انسان کے قدموں کی چاپ سُن رہا تھا جو اُس کے خیمے کے گِرد ہی چکّر لگا رہا تھا۔۔۔ یہ کہیں رو کُوف تو نہیں؟ اُس نے سوچا۔ دِن کے وقت شیخ کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکا اور اب۔۔۔ آدھی

رات کو آیا ہے تا کہ چُپکے سے اپنے دُشمن کا کام تمام کر دے۔۔۔ اس خیال نے ٹارزن جیسے نڈر شخص کو بھی ایک لمحے کے لیے بد حواس کر دیا۔

اور پھر اس نے اندھیرے میں خیمے کے اندر کسی انسانی سائے کو حرکت کرتے دیکھا۔ کسی نے اپنا نرم ہاتھ اُس کے زخمی چہرے پر پھیرا۔ اور اس کے بعد ایک میٹھی اور جانی پہچانی سی آواز اُس کے کان میں آئی۔

"جناب۔۔۔! کیا آپ سُنتے ہیں؟ یہ میں ہوں۔"

ٹارزن کے جسم کا رُواں رُواں مسرت سے کانپ رہا تھا۔ اُس نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ وہی تھی۔۔۔ شیخ خضر بن حضر کی لڑکی۔۔۔ چند لمحے بعد ٹارزن کے ہاتھ اور پیر آزاد ہو چکے تھے۔ وہ چیتے کی مانند اپنی جگہ سے اُچھلا اور خیمے کے دروازے پر جا پہنچا۔

"ہُش۔۔۔ خاموش۔" لڑکی نے کہا۔ "میرے ساتھ آیئے۔"

خیمے سے باہر تاروں اور پہاڑی کے پیچھے غروب ہوتے ہوئے چاند کی مدّھم

روشنی میں ٹارزن نے دیکھا کہ لڑکی ہاتھ پیروں کے بل چلتی ہوئی ایک طرف جارہی ہے۔وہ بھی اسی طرح اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ کہیں کہیں خیموں کے درمیان آگ کے الاؤ روشن تھے اور کوئلوں کے چٹخنے کی آوازوں کے سوا ہر طرف ہیبت ناک سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔

"شیر بھی قریب ہی ہے۔۔۔ وہ اپنے شکار کی تلاش میں ہے۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے بھی اس کی آواز سُنی ہے۔" ٹارزن نے جواب دیا۔ "اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آ گئیں اور تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اِن بد معاشوں نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے؟"

"یہ بات مجھے میرے ایک چچازاد بھائی نے بتائی۔ وہ اتّفاق سے اُس وقت یہاں موجود تھا جب یہ لوگ آپ کو پکڑ کر لائے تھے۔ ہمارا علاقہ اس جگہ سے کُچھ زیادہ دُور نہیں ہے۔ میرا بھائی جب گھر پہنچا تو اُس نے باتوں باتوں میں بتایا کہ فلاں قبیلے کے کچھ آدمی ایک سفید چمڑی والے شخص کو گرفتار

کر کے لائے ہیں۔ اُس نے جب آپ کا حلیہ بیان کیا تو میں سمجھ گئی کہ یہ شخص آپ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ میرے والد اُس وقت نہیں تھے۔ میں سخت پریشان تھی۔ قبیلے کے کئی آدمیوں سے کہا کہ ہمیں وہاں جا کر اُس شخص کی جان بچانی چاہیے کیونکہ اُسی شخص نے ایک مرتبہ میری جان بچائی تھی، لیکن کسی نے میرے بات نہ سُنی۔ اس لیے میں خود ہی اکیلی گھوڑے پر سوار ہو کر اِدھر چلی آئی۔ راستے میں شام ہو گئی اور پھر یہ شیر کہیں سے میرے پیچھے لگ گیا، لیکن خُدا کا شکر ہے کہ میں زندہ سلامت آپ تک پہنچ گئی۔"

ٹارزن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ اُس کو سان گُمان بھی نہ تھا کہ یہ عرب لڑکی اُسے بچانے کے لیے اتنی بڑی قُربانی دے سکتی ہے۔ اُس کے منہ سے صرف یہی لفظ نکلے۔

"میں نے آج تک تم سے زیادہ بہادر لڑکی نہیں دیکھی۔ میں تمہارا زندگی بھر شکر گزار رہوں گا۔"

لڑکی نے کہا۔ "اب ہمیں چلنے کی فکر کرنی چاہیے۔ میں اپنے ساتھ ایک اور گھوڑا بھی لے آئی تھی اور اُسے میں نے وہاں اُن درختوں کے جھُنڈ میں اپنے گھوڑے کے ساتھ ہی باندھ دیا تھا۔"

اُس نے ہاتھ سے ایک جانب اشارہ کیا۔ لیکن جب وہ اُس جھُنڈ کے قریب پہنچے تو لڑکی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ گھوڑے وہاں نہیں تھے۔

ٹارزن نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ واقعی یہاں دو گھوڑے باندھے گئے تھے۔ نرم ریتلی مٹّی میں ان کے قدموں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔ اچانک ٹارزن کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے تمہارے گھوڑوں میں سے ایک تو بھاگ گیا ہے اور دوسرا شیر کا شکار بن چُکا ہے۔ آؤ اب ایک ہی گھوڑے کو تلاش کریں۔ وہ زیادہ دُور نہ گیا ہو گا۔ پھر اُس نے لڑکی کو شیر کے پنجوں کے نشان اور گھوڑے کے جمے ہوئے خُون کے دھبّے دِکھائے۔"

"ایسا نہ ہو کہ آپ کے بھاگ نکلنے کی خبر دُشمنوں کو ہو جائے اور وہ آ کر دوبارہ آپ کو پکڑ لیں۔" لڑکی نے گھبرا کر کہا۔ "گھوڑا نہیں ملتا تو نہ سہی۔ ہم صُبح تک اپنے علاقے میں پہنچ جائیں گے۔ اور وہاں کسی کو جرأت نہیں کہ آپ کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ بھی سکے۔"

ٹارزن کو اب اپنے سے زیادہ اس معصوم لڑکی کی جان کی فکر تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے لڑکی کو کوئی نقصان پہنچے۔ اُس نے گھوڑے کی تلاش کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے پہاڑی راستے کی طرف چل پڑا۔ اُسے معلوم تھا کہ ایک مرتبہ پہاڑوں کے اندر داخل ہو جانے کے بعد اُسے تلاش کر لینا آسان نہ ہو گا۔

پَو پھٹ رہی تھی اور آسمان کا رنگ آہستہ آہستہ گلابی ہوتا جا رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تیزی سے چلنے لگے تھے۔ اب وہ دُشمنوں کی پہنچ سے خاصے دُور نکل آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنی رفتار میں کمی نہ آنے دی۔ ایک بڑے سے ٹِیلے کو عبور کر کے جب وہ دائیں طرف ایک چھوٹی سی

پگ ڈنڈی پر چلے تو انہوں نے ایک نہایت ہی خوفناک منظر دیکھا۔

گیارہ بارہ فُٹ لمبا ایک شیر اطمینان سے راستے کے عین درمیان میں بیٹھا گھوڑے کی لاش کو اُدھیڑ رہا تھا۔ اُس کا خوفناک جبڑا اور پنجے خُون میں لت پت تھے۔ اُس نے اپنے سامنے دو انسانوں کو کھڑے پایا تو اُس کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ وہ پہلے ہلکی آواز میں غرّایا اور پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی دُم آہستہ آہستہ دائیں بائیں حرکت کر رہی تھی۔ ایک بار پھر وہ غرّایا جیسے کہہ رہا ہو کہ تم لوگوں کو اِدھر آنے اور میرے ناشتے میں خلل ڈالنے کی جرأت کیوں کر ہوئی۔ اچانک چند قدم پیچھے ہٹ کر کر اپنے پنجوں سے زمیں کُرید نے لگا۔

"تمہارا چاقو کہاں ہے؟" ٹارزن نے تھر تھر کانپتی ہوئی لڑکی سے پوچھا۔ لڑکی نے اپنی کمر سے بندھا ہوا چاقو نکالا اور ٹارزن کے پھیلے ہوئے ہاتھ میں تھما دیا۔ ٹارزن نے لڑکی کو دھکیلتے ہوئے کہا۔ "تم اُس پتھّر کے پیچھے جا چھپو۔ میں ذرا اِس درندے سے دو دو ہاتھ کر لُوں۔"

”نہیں۔ نہیں۔۔۔۔“ لڑکی چِلاّئی۔ ”وہ آپ کو مار ڈالے گا۔“

”جلدی کرو، وہاں جا کر چھُپ جاؤ، وہ اب حملہ کرنے ہی والا ہے۔“ ٹارزن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ لڑکی بھاگ کر ایک بڑے سے پتھّر کے پیچھے جا چھُپی۔

شیر برابر گرج رہا تھا۔ شاید اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ اُس کا دُشمن میدان چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ٹارزن نے کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ پتھّر کے پیچھے اُس کا جسم چھُپا ہوا تھا۔ صرف گردن باہر اُٹھی ہوئی تھی اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اس ہولناک جنگ کا انتظار کر رہی تھی جو اس ویران پہاڑی درّے میں ایک جنگلی درندے اور ایک انسان کے درمیان ہونے والی تھی۔

شیر کا دھونکنی کی مانند حرکت کرتا ہوا پیٹ زمین کو چھُونے لگا۔ اُس نے بِلّی کے سے انداز میں گردن جھکائی اور ٹارزن کی جانب جِست کرنے کی تیّاری کر لی۔ ٹارزن نے بھی وہی پوزیشن اختیار کر لی جو شیر کی تھی۔ شیر نے

ایک ہیبت ناک گرج کے ساتھ چھلانگ لگائی اور ٹارزن کے اُوپر آن گرا۔

ٹارزن کو اِسی لمحے کا انتظار تھا اُس کا ہاتھ بجلی کی طرح تڑپا اور پھر خنجر کا پورا پھل دستے تک شیر کی گردن میں اُتر گیا۔ شیر زخمی ہو کر پرے جا گرا لیکن اُس نے ٹارزن کو چھوڑا نہیں۔ اُس کے حلق سے اب ڈراؤنی چیخیں نکل رہی تھیں۔ انسان اور درندہ ایک دوسرے سے گتھّم گتھّا تھے۔ پھر لڑکی نے دیکھا کہ ٹارزن نے زخمی شیر کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اُٹھا کر سر سے اُونچا کیا اور پوری قوّت سے ایک پتھّر پر دے مارا۔ درندہ مچھلی کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ اُس کی کمر کی ہڈّی ٹوٹ چکی تھی۔ چند لمحے تک تڑپنے کے بعد آہستہ آہستہ اُس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔

ٹارزن نے اپنے دُشمن کے مُردہ جسم کو ایک بار ٹٹولا اور پھر مُنہ کھول کر ایسا بھیانک نعرہ لگایا کہ زمین کا کلیجا ہِل گیا۔ اُس وقت وہ ٹارزن نہیں، درندہ نظر آ رہا تھا۔ لڑکی اُس کی یہ حالت دیکھ کر مارے خوف کے بے ہوش ہو گئی۔ ٹارزن نے اُسے اُٹھا کر کندھے پر ڈالا اور ایک جانب چل پڑا۔

# روکُوف کی مرمّت

جب ٹارزن، لڑکی کو کاندھے پر ڈالے ایک بستی کے قریب پہنچا تو دِن کافی چڑھ گیا تھا۔ لڑکی اب ہوش میں تھی مگر اُس کا خوف دُور نہیں ہُوا تھا۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”سامنے جو بستی نظر آ رہی ہے یہی ذلفہ ہے۔“

اپنی لڑکی کے غائب ہو جانے سے شیخ خضر سخت پریشان تھا اور اپنے نوکروں کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ انہوں نے اُس کو جانے کیوں دیا۔ اتنے میں

ٹارزن وہاں پہنچ گیا۔ لڑکی کو صحیح سلامت دیکھ کر شیخ خوشی کے مارے پاگل ہو گیا اور جب لڑکی نے سارا قصّہ سُنایا تو حیرت سے اُس کا منہ کھُلے کا کھُلا رہ گیا۔ اُسے یقین نہ آتا تھا کہ یہ نوجوان ایک شیر کو صرف خنجر سے ہلاک کر سکتا ہے۔

شیخ نے بے اختیار ٹارزن کو گلے سے لگا لیا اور کہا کہ اب تم یہیں رہو۔ وُہ ٹارزن کو اپنے قبیلے میں شامل کر لینے پر بھی تیّار نظر آتا تھا لیکن ٹارزن نے اُسے سمجھایا کہ یہ ممکن نہیں۔ البتّہ وہ ایک ہفتہ اس کے پاس ضرور ٹھہرے گا۔

اِس دوران میں ٹارزن نے اپنی خوش اخلاقی اور بہادری سے قبیلے کے تمام لوگوں کے دل جیت لیے اور جب وہ اُن سے رخصت ہو کر بو سعدی کی جانب روانہ ہو رہا تھا تو بچّے، جوان، بوڑھے یوں رو رہے تھے جیسے اُن کا کوئی عزیز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہو۔

"خُدا حافظ۔" ٹارزن نے ہاتھ ہلا کر شیخ اور اُس کی لڑکی سے کہا اور گھوڑے

کو ایڑ لگا دی۔ وہ جلد سے جلد بو سعدی پہنچ جانا چاہتا تھا۔ بُو سعدی میں آدھی رات ہو چکی تھی اور مکانوں کے اندر تیل اور چربی سے جلنے والی لالٹینیں اور مشعلیں روشن تھیں۔ ٹارزن نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپالیا اور شہر میں داخل ہوا۔ شہر کے سنسان راستوں سے گزر کر وہ اپنے ہوٹل کے پاس جا نکلا اور پچھلے دروازے سے اندر گھُس گیا۔ ہوٹل کا مالک کرسی پر بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ ٹارزن کے قدموں کی آہٹ پا کر اُس نے گردن اُٹھائی اور پھر اُس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"آہ، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" اُس نے کہا۔

"ہُش۔۔۔ خاموش۔۔۔" ٹارزن نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر کہا۔ "کسی کو نہ بتانا کہ میں آ گیا ہوں۔ سمجھے؟"

"سمجھ گیا جناب۔" مالک نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی غیر حاضری میں کئی خط آئے جو میں نے سنبھال کر رکھ لیے تھے۔"

اُس نے میز کی دراز کھولی اور چند خط نکال کر ٹارزن کو دیے۔ ان میں ایک

خط بہت ضروری تھا۔ یہ ٹارزن کے ایک افسر کی جانب سے آیا تھا اور اُس میں لکھا تھا کہ تم فوراً جنوبی افریقہ کے دارالحکومت کیپ ٹاؤن پہنچو۔

خط میں کیپ ٹاؤن کے اُس خفیہ ایجنٹ کا نام اور پتا بھی درج تھا جس کے پاس ٹارزن کو جانا تھا۔ ٹارزن نے فیصلہ کیا کہ وہ صُبح ہی کو پہلا اسٹیمر پکڑ کر کیپ ٹاؤن روانہ ہو جائے گا لیکن اُس کا دِل چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے جیراڈ اور جرنوس سے ضرور ملتا جائے۔

کیپٹن جیراڈ اس وقت اپنے کوارٹر میں پلنگ پر لیٹا تھا۔ ٹارزن کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ اُچھل کر اُس سے لپٹ گیا اور چلّایا۔ ”میرے پیارے دوست، تم زندہ ہو؟ مُجھے تو بتایا گیا تھا کہ تمہیں شیر ہڑپ کر گیا۔“ ٹارزن کے لبوں پر پھیکی سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ خبر جرنوس نے اُڑائی ہو گی۔ جیراڈ کہتا رہا۔ ”جرنوس نے جب مُجھے بتایا کہ ٹارزن کو شیر ہڑپ کر گیا ہے تو سچ جانو میرے پسینے چھُوٹ گئے۔ تمہاری اِس دردناک موت پر جرنوس بھی بے حد غمگین تھا۔ بتاؤ، یہ قصّہ کیا ہے؟“

"قصّہ کچھ نہیں۔" ٹارزن نے ہنس کر بات ٹال دی۔ "میں راستہ بھول کر کسی اور طرف جانکلا اور جرنوس یہ سمجھا کہ مُجھے شیر نے کھا لیا ہے۔ شیر نے بے شک مُجھ پر حملہ ضرور کیا تھا، لیکن میں نے اُسے مار ڈالا۔"

"خُدا کا شکر ہے تُم واپس آ گئے۔ میں ابھی جرنوس کو بھی بُلا کر یہ خبر سُناتا ہوں۔"

"ایسا نہ کیجئے۔ وہ اس وقت آرام کر رہے ہوں گے۔ کل صُبح میں ایک ضروری کام سے کیپ ٹاؤن جانا چاہتا ہوں۔ میرے لیے اسٹیمر پر ایک سیٹ کا انتظام کر دیجئے۔"

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" جیراڈ نے کہا اور ٹارزن اُس کا شکریہ ادا کر کے رُخصت ہوا۔ اب وہ ایک گلی کے اندر مُڑ گیا اور ایک دو منزلہ مکان کے دروازے پر رُک گیا۔ اُس نے اپنے دِل میں کہا، یہی وہ مکان ہے۔

اُس نے دروازے کو آہستہ سے دھکّا دیا تو وہ یوں کھل گیا جیسے اشارے کا

منتظر تھا۔ وہ چیتے کی طرح دبے پاؤں اندر گھُس گیا۔ اُوپر کی منزل کے ایک کمرے کی کھڑکی اور دروازے کی درزوں میں سے روشنی چھِن چھِن کر باہر آ رہی تھی اور پھر ٹارزن کے کانوں نے دو آدمیوں کے چُپکے چُپکے باتیں کرنے کی آواز بھی سُن لی۔ وہ آہستہ آہستہ زینے پر چڑھا، بر آمدے کے نکّڑ پر ایک کمرے میں بتّی جل رہی تھی۔ ٹارزن نے کھڑکی کے ایک سوراخ پر آنکھ لگا دی۔ جرنوس اور روکُوف آمنے سامنے کُرسیوں پر بیٹھے تھے۔ روکُوف کہہ رہا تھا۔ ''لاؤ لیفٹیننٹ، اب روپیہ اور وہ تمام کاغذات میرے حوالے کر دو۔ ورنہ تُم جانتے ہی ہو کہ میں کیسا بُرا آدمی ہوں۔ میں نے اپنے وعدے کے مطابق ٹارزن جیسے شخص کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔'' اُس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''اِس بُری طرح اُس کو تڑپا تڑپا کر مارا کہ اب جہنّم کی سیر کر رہا ہو گا۔''

''کاغذ میں تمھیں دینے کے لیے تیّار ہوں، لیکن اپنی حکومت سے کہو کہ مُجھے روپیہ ادا کرے۔'' جرنوس نے غرّا کر کہا۔ ''اُلٹا تم مجھ سے روپیہ مانگتے

ہو۔ دماغ تو صحیح ہے تمہارا؟"

"آہا۔۔۔" روکُوف نے قہقہہ لگایا۔ "تم کِس قدر بھولے ہو۔ تمہیں اس خطرناک دھندے میں پڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" پھر اُس نے آواز بدل کر ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "سیدھے ہاتھ سے روپیہ اور کاغذات میرے حوالے کر دو ورنہ میں جیراڈ کو بتادوں گا کہ تم ہی نے ٹارزن کو قتل کیا ہے۔ میں اس کا ثبوت بھی دے سکتا ہوں۔"

جرنوس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا۔ چند لمحے تک روکُوف کو گھورنے اور دانت پیسنے کے بعد اُس نے جیب سے بٹوا نکالا اور نوٹوں کی ایک گڈّی روکُوف کے مُنہ پر مارتے ہوئے کہا۔ "یہ لو، اور آئندہ مُجھ سے کوئی اُمید نہ رکھنا۔ اب رہے وہ کاغذات تو اپنی حکومت سے کہو کہ کسی معقول آدمی کے ذریعے مُجھ سے بات کرے ورنہ میں اِن رازوں کو کسی اور ملک کے ہاتھ بیچ دوں گا۔"

روکُوف نے نوٹوں کی گڈّی جیب میں رکھی اور سگار سلگا کر بولا۔ "لیفٹیننٹ

جرنوس، بہتر یہی ہے کہ تم یہ کاغذات میرے حوالے کر دو۔ میں اپنی حکومت کا نمائندہ ہوں اور مُجھے تم سے بات کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ میری حکومت اس بات کا اطمینان کرنا چاہتی ہے کہ تم ہمارے ہاتھ فرانس کے جو فوجی راز بیچ رہے ہو وہ صحیح ہیں یا غلط۔۔۔ ممکن ہے تم ہمیں دھوکا دے کر بے کار کاغذات دے دو۔ کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے کہ جو راز تُم بیچ رہے ہو، وہ اصلی ہیں؟"

جرنوس نے غصّے سے بل کھا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور دو کاغذ نکال کر روکُوف کی طرف بڑھائے۔ "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تُم یہ بکواس کرو گے۔ اِسی لیے میں نمونے کے طور پر یہ دو کاغذ لے آیا تھا۔ یہ اپنی حکومت کو دِکھا دو۔ اگر اُسے اطمینان ہو جائے تو باقی کاغذات روپیہ دے کر مجھ سے لے لینا۔"

روکُوف نے کاغذ اُس کے ہاتھ سے چھین کر اُن پر نظر ڈالی اور پھر کہنے لگا۔

"شاباش میرے دوست شاباش۔۔۔ کاغذ تو بے حد اہم نظر آتے ہیں۔

خیر، میں اپنی حکومت سے بات کروں گا لیکن سوال یہ ہے کہ تُم اس روپے میں سے مُجھے کتنا حصّہ دو گے؟"

"ایک دھیلا بھی نہیں۔" جرنوس چلّایا۔ "تم انتہائی ذلیل اور کمینے آدمی ہو۔ یاد رکھو! آئندہ اگر تُم نے مُجھے دھمکا کر روپیہ مانگنے کی کوشش کی تو میں تمہاری کھوپڑی پستول کی گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔" اُس نے جیب سے پستول نکالا۔۔۔ "یہ بھرا ہوا ہے۔ مُجھے زیادہ طیش نہ دلاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ٹارزن پھُرتی سے ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ جرنوس باہر آیا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے چلا گیا۔

ٹارزن نے ایک منٹ انتظار کیا۔ پھر دروازے کو دھکّا دے کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ روکُوف کُرسی میں دھنسا ہوا آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ دروازہ کھُلنے کی آواز سُنتے ہی اُس نے آنکھیں کھولیں اور پھر اُس کے چہرے کا رنگ دُھلے ہوئے کپڑے کی مانند سفید پڑ گیا۔

”تت۔۔۔ تم؟“ اُس کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی گلا گھونٹ رہا ہو۔

”ہاں، میں۔۔۔“ ٹارزن نے جواب دیا۔ ”مُجھے دیکھ کر تمہاری گِھگّھی کیوں بندھ گئی۔“

”تم کیا چاہتے ہو؟“ روکُوف نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا تُم مُجھے مار ڈالنے کے ارادے سے آئے ہو؟ اگر یہ بات ہے تو اپنا انجام بھی سوچ لو۔“

”میں نے اپنا انجام خوب سوچ رکھا ہے۔“ ٹارزن نے کہا۔ ”اب تم اپنے انجام کی فکر کرو۔ تُم ابھی ابھی جرنوس کو بتا چُکے ہو کہ ٹارزن مارا جا چکا ہے حالانکہ میں زندہ سلامت تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ پھر کون یقین کرے گا کہ میں نے تمہیں ہلاک کیا ہو گا۔ اس کے علاوہ میری موجودگی کا یہاں کسی کو علم نہیں۔ اور فرض کر لو کہ پتا چل بھی جائے کہ میں زندہ ہوں تب بھی مجھے پرواہ نہیں۔ مجھے تُم جیسے ناپاک اور خبیث آدمی کو اس

دنیا سے جہنّم کی طرف روانہ کرنے میں اگر اپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑے تو یہ سودا مُجھے منظور ہے۔"

غصّے سے ٹارزن کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا تھا اور منہ سے جھاگ اُڑنے لگے تھے۔ اُس کی شکل اتنی ہیبت ناک بن گئی تھی کہ روکُوف خشک پتّے کی طرح تھر تھر کانپنے لگا۔ لیکن پھر ایک دم وہ اُچھلا اور دوسرے کمرے کی طرف بھاگا لیکن ٹارزن نے اُسے موقع نہ دیا۔ ایک زوردار گھونسا روکُوف کی کنپٹی پر پڑا اور اُس کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑنے لگیں۔ وہ چرخی کی طرح گھوم گیا اور ٹارزن کے قدموں میں آن گرا۔ ٹارزن نے بالکل اُس بِلّی کی طرح، جو چوہے کو مُنہ میں دبا لیتی ہے، اُس کا گلا پکڑ لیا اور اُٹھا کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔

ٹارزن نے ہنس کر کہا۔ "ابھی میں نے تمھیں ہلکا سا مزا چکھایا ہے۔ میرا خیال ہے اس وقت یہی کافی ہے۔ اب مہربانی کر کے وہ دونوں کاغذ میرے حوالے کر دو جو چند منٹ پہلے تم نے جرنوس سے لیے تھے۔"

روکُوف نے انکار میں گردن ہلائی تو ٹارزن کا ایک گھُونسا اُس کے جبڑے پر پڑا اور وہ بکری کی طرح تڑپنے اور ڈکرانے لگا۔ "کاغذ دیتے ہو یا نہیں؟" یہ کہہ کر ٹارزن نے اُس کے گلے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اُس نے جلدی سے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دونوں کاغذ نکال کر ٹارزن کے حوالے کر دیے۔

"اب وہ نوٹوں کی گڈّی بھی میرے حوالے کرو۔ مُجھے آج کل پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ اِنکار کرنے کا نتیجہ تُم دیکھ ہی چُکے ہو۔ میرا گھونسا ایسا نہیں جو تُم بھُول سکو۔" ٹارزن نے کہا اور نوٹوں کی گڈّی بھی اُس کی جیب میں پہنچ گئی۔

"اچھا دوست، اب میں چلتا ہوں۔ آئندہ کے لیے یاد رکھنا۔ اگر تُم نے کوئی شیطانی حرکت کی تو ہڈّی پسلی ایک کر دوں گا۔" ٹارزن نے کہا اور روکُوف کو اِسی طرح نڈھال چھوڑ کر باہر چلا آیا۔

اگلے روز صُبح کو ٹارزن اپنے نئے سفر پر روانہ ہونے کے لیے ہوٹل سے

نکلا۔ اِس سے پہلے وہ جیراڈ سے کیپ ٹاؤن بندرگاہ کے ایک افسر کے نام سے سفارشی خط لکھوا چکا تھا۔ فوجی افسروں کے کوارٹروں کے آگے سے گزرتے ہوئے یکایک اُس کی نگاہ جرنوس پر پڑی اور جرنوس نے بھی اُس کو دیکھ لیا۔ ٹارزن کا ہاتھ سلیوٹ کے لیے اُٹھا۔ جواب میں جرنوس نے بھی بے سوچے سمجھے ہاتھ اُٹھا دیا لیکن اُس کا چہرہ دہشت سے ہلدی کی طرح زرد تھا اور ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خوف کے مارے مر جائے گا۔ پھر وہ جلدی سے مُڑا اور اپنے کوارٹر کے اندر چلا گیا۔

ایک بار پھر ٹارزن سیدی عیشیہ کے قصبے میں پہنچا اور یہاں اُس کی ملاقات ایک فرانسیسی فوجی افسر سے ہوئی۔

"مسٹر ٹارزن! آپ نے وہ خبر تو سُن لی ہو گی؟" فوجی افسر نے اُس سے پوچھا۔

"کون سی خبر؟" ٹارزن نے کہا۔ "لیفٹیننٹ جرنوس نے سر میں گولی مار کر خُودکُشی کر لی ہے۔ ابھی ابھی یہ خبر مُجھ تک پہنچی ہے۔"

"تعجّب ہے۔" ٹارزن نے کہا۔ اور پھر وہ بے پروائی سے دوسری باتیں کرنے لگا۔

ٹارزن پہلے الجزیرہ پہنچا، جو ملک الجزائر کا دارالحکومت ہے۔ کیونکہ یہیں سے بحری جہاز جنوبی افریقہ جاتے ہیں۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ جہاز دو دِن بعد جائے گا۔ ٹارزن نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر نہ صرف آرام کیا بلکہ پیرس کی خفیہ پولیس کو بھیجنے کے لیے رپورٹ بھی تیّار کر لی لیکن اُس نے روکُوف سے حاصل کیے ہوئے وہ کاغذات اس رپورٹ میں شامل نہیں کیے۔ اُس نے سوچا کہ میں خود پیرس جا کر خفیہ پولیس کے بڑے افسر کو پیش کروں گا۔

دو روز بعد ٹارزن جب بحری جہاز کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو عرشے کے ایک کونے میں کھڑے ہوئے دو پُراسرار آدمی اُسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے چُپکے چُپکے باتیں کیں اور اپنی ٹوپیاں چہروں پر جھُکا کر دوسری جانب چلے گئے۔

خفیہ پولیس کے افسر کی ہدایات کے مطابق کیپ ٹاؤن تک اسے ایک نقلی نام سے سفر کرنا تھا۔ یہ ہدایت ٹارزن کو بُوسعدی ہی میں ملی تھی۔ اِس لیے اُس نے جہاز کی سیٹ جان کے نام سے حاصل کی تھی۔

رات کے کھانے پر جب جہاز کے مسافر کھانے کے کمرے میں آئے تو ٹارزن کو ایک لڑکی کے برابر والی خالی کُرسی ملی۔ اُس کے دائیں ہاتھ جہاز کا کپتان بیٹھا تھا۔ کھانے سے پہلے کپتان نے اُس لڑکی کو ٹارزن سے ملایا۔

"آپ مسٹر جان ہیں اور آپ۔۔۔ مس سٹرانگ۔ تفریح کے لیے جنوبی افریقہ جارہی ہیں۔"

ٹارزن نے اُٹھ کر مس سٹرانگ سے ہاتھ ملایا اور پھر مُسکراتا ہوا کُرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس وقت ان دونوں میں سلام دُعا کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ دوسرے روز دوپہر کے وقت ٹارزن جہاز کے عرشے کے کٹہرے کے ساتھ لگا کھڑا تھا کہ اُس نے دُور ایک چھوٹا سا جہاز دیکھا۔ اس کا رنگ سفید تھا۔

اُس چھوٹے سے سفید رنگ کے جہاز کے عرشے پر بھی، عین اُسی وقت، ایک خوبصورت لڑکی کھڑی ٹارزن کے جہاز کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے گلے میں سونے کا لاکٹ پڑا ہوا تھا جس سے اُس کی اُنگلیاں کھیل رہی تھیں۔

# انتقام

دو تین ملاقاتوں میں ٹارزن اور مس سٹرانگ آپس میں گھُل مل گئے۔

ایک دِن باتوں باتوں میں ٹارزن نے کہا۔

"ایک مرتبہ میری ملاقات ایک امریکی خاندان سے ہوئی۔ اُن لوگوں کی یاد اب بھی میرے دِل میں باقی ہے۔ شاید آپ بھی اُن سے کبھی ملی ہوں۔ پروفیسر پورٹر۔۔۔ اور اُن کی لڑکی۔"

"جین پورٹر۔۔۔" مِس سٹرانگ خوشی سے چیخ اُٹھی۔ "کیا آپ اُنہیں

جانتے ہیں۔۔۔؟ جین میری بچپن کی سہیلی ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر اب وہ مُجھ سے بچھڑنے والی ہے۔“

”کیوں؟“ ٹارزن نے کہا۔ ”اچھا! میں سمجھ گیا۔ جین کی شادی انگلستان کے ایک نوّاب سے ہونے والی ہے اور وہ امریکہ چھوڑ کر انگلستان چلی جائے گی۔“

”جی ہاں، ایک وجہ یہ بھی ہے۔“ مِس سٹرانگ نے آہستہ سے کہا۔ ”مگر اہم وجہ یہ ہے کہ اُس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہو رہی ہے جسے وہ بالکل پسند نہیں کرتی۔ وہ اصل میں ایک اور شخص سے بیاہ کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اُس شخص کو کبھی نہیں دیکھا۔۔۔ لیکن جین سے اُس کی اِتنی تعریف سُنی ہے کہ اُس سے ملنے کا مُجھے بڑا ارمان ہے۔ سُنا ہے کہ وہ شیر سے بھی زیادہ طاقتور اور بہادر ہے۔ وہ افریقہ کے جنگل میں پیدا ہوا اور وہیں درندوں کے درمیان پلا بڑھا اور جوان ہوا ہے۔ پروفیسر پورٹر اور جین کی اُس سے ملاقات بھی افریقہ کے جنگل میں ہوئی تھی۔ اُس نے

اپنے مہمانوں کی بڑی خدمت کی اور ہر طرح اُن کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا رہا۔" مِس سٹرانگ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ڈھلکنے لگے۔ ٹارزن چُپ چاپ کھڑا رہا اور پھر اُسے تسلّی دے کر اپنے کیبن میں چلا گیا۔

چند روز اور گزر گئے۔ موسم صاف اور سمندر کی لہریں پُر سکون تھیں۔ جہاز تیزی سے کیپ ٹاؤن کی طرف چلا جا رہا تھا اور سب کو اُمید تھی کہ خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔

ایک روز ٹارزن نے مِس سٹرانگ کو دیکھا کہ ایک ڈاڑھی والے شخص سے باتیں کر رہی ہے۔ جب وہ اِن کے قریب پہنچا تو اُس شخص نے ٹارزن کو دیکھتے ہی جلدی سے گردن جھکا کر مِس سٹرانگ کو سلام کیا اور ایک طرف چل پڑا۔

"ٹھہریے مسٹر تھورین۔" مِس سٹرانگ نے اُسے آواز دے کر رُوکا۔ "میں آپ کو مسٹر جان سے ملاتی ہوں۔ مسافروں کو ایک دوسرے سے

ضرور ملنا چاہیے۔"

تھورین نے ٹارزن سے ہاتھ ملایا لیکن اپنا سر جھکائے رکھا۔ ٹارزن نے اب اُسے غور سے دیکھ اور فوراً ہی اُس کے ذہن میں کھلبلی سی مچ گئی۔ اُس نے تھورین کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور مس سٹرانگ سے بولا۔ "یہ تو میرے پرانے واقف ہیں۔ اِن سے میں پہلے بھی کئی بار مل چُکا ہوں۔"

"چلیے، یہ بھی اچھا ہوا۔ اب آپ دونوں اطمینان سے باتیں کیجئے۔ میں جاتی ہوں۔" یہ کہہ کر مِس سٹرانگ چلی گئی۔

اُس کے جانے کے بعد ٹارزن نے تھورین کو گھور کر دیکھا اور سختی سے بولا۔

"میں نے تمھیں پہچان لیا ہے رو کُوف۔ تُم سمجھتے ہو کہ ڈاڑھی رکھ کر اپنے آپ کو چھُپا سکو گے۔ بتاؤ، تم یہاں کِس ارادے سے آئے ہو؟"

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔" تھورین نے جو واقعی رو کُوف ہی

تھا، ہکلا کر جواب دیا۔ ”میں اپنے وطن جارہا ہوں۔ اب کبھی آپ میری شکل نہیں دیکھیں گے۔“ ”مجھے شک ہے کہ تم کوئی نئی شرارت کرنے والے ہو۔“ ٹارزن نے کہا۔ ”تمہارا اِسی جہاز پر سفر کرنا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے۔ خیر میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر کوئی شرارت کی تو اِس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔“

”دیکھیے صاحب، آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔“ روکُوف نے غرّا کر کہا۔ ”آخر آپ مجھے دھمکیاں دینے والے ہوتے کون ہیں؟ مُجھے بھی اِس جہاز پر سفر کرنے کا اُتنا ہی حق ہے جتنا آپ کو۔ اور اگر میں فرضی نام سے سفر کر رہا ہوں تو آپ نے بھی تو فرضی نام اختیار کر رکھا ہے۔“

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ تم جہنّم میں جاؤ۔ مُجھے اِس سے کوئی واسطہ نہیں۔ البتّہ مُجھ سے دُور رہو۔“ ٹارزن نے کہا۔

روکُوف کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا۔ لیکن گھورنے کے سوا کوئی لفظ اِس کی زبان سے نہیں نکلا۔ وہ جانتا تھا کہ ٹارزن کے الفاظ خالی دھمکی ہی نہیں

ہوتے وہ اُن پر عمل بھی کر سکتا ہے۔ وہ بل کھا کر مڑا اور اپنے کیبن میں چلا گیا۔ وہاں اُس کا ساتھی پال وِچ موجود تھا۔ اُس نے پال وِچ کو سارا قصّہ سُنایا۔

"میں اِس کو آج رات سمندر میں پھینک دُوں گا۔" رو کُوف نے پال وِچ سے کہا۔ "لیکن اِس سے پہلے وہ کاغذات اِس سے حاصل کرنا ضروری ہیں۔ تُم کِسی بہانے اِس کے کیبن کی تلاشی لو۔"

پال وِچ مُسکرایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ "ابھی جاتا ہوں۔ شاید مُجھے اُس کے کیبن میں گھُسنے کا موقع مِل جائے۔"

پال وِچ، ٹارزن کے کیبن کی نگرانی کرنے لگا۔ دو گھنٹے بعد ہی اُس نے دیکھا کہ ٹارزن اپنے کیبن سے باہر آیا اور دروازے کو تالا لگائے بغیر عرشے کی طرف چلا گیا۔ پال وِچ نے فوراً رو کُوف کو اطلاع دی اور خود ٹارزن کے کیبن میں داخل ہو گیا۔ باہر رو کُوف پہرا دے رہا تھا کہ ٹارزن آ جائے تو سیٹی بجا کر پال وِچ کو خبردار کر دے۔ پال وِچ نے بڑی ہوشیاری سے

ٹارزن کی ایک ایک چیز کو دیکھنا شروع کیا۔ اُس کی اُنگلیاں ہر شے کو ٹٹول رہی تھیں لیکن کیا مجال کہ کوئی چیز اپنی جگہ سے ہٹی یا خراب ہوئی ہو۔ آخر اُس کی نظریں ایک کوٹ پر پڑیں جو کھونٹی پر لٹکا ہوا تھا۔ اُس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سفید رنگ کا ایک پھولا ہوا لفافہ نکال لیا۔ لفافے کے اندر رکھے ہوئے کاغذات پر نظر ڈالتے ہی وہ خوشی سے اُچھل پڑا اور جھٹ باہر نکل آیا۔

روکُوف نے کاغذات دیکھے تو پال وِچ کو گلے سے لگا لیا۔ اب وہ اپنے کیبن میں پہنچ چُکے تھے اور آئندہ پروگرام پر غور کر رہے تھے۔ پال وِچ کہہ رہا تھا۔ ”ٹارزن کو بہت جلد ان کاغذوں کے غائب ہو جانے کا پتا چل جائے گا۔ وہ تمہیں پہچان چکا ہے، اِس لیے اُس کا خیال تمہاری ہی طرف جائے گا۔“

”کوئی پرواہ نہیں۔“ روکُوف نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”میں آج ہی رات اُس کا قصّہ ختم کر دوں گا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔“

وہ رات بڑی تاریک اور ڈراؤنی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور سمندر میں طوفان آیا ہوا تھا۔ جہاز ایک کھلونے کی مانند لہروں کے اُوپر اُچھلتا، ڈگمگاتا اپنی منزل کی جانب چلا جا رہا تھا۔ ٹارزن کھانا کھا کر عرشے کی طرف گیا۔ عرشہ اُس وقت بالکل سنسان پڑا تھا۔ مسافر اپنے اپنے کیبنوں میں آرام کر رہے تھے۔ اُس طوفانی اور تاریک رات میں کون چہل قدمی کے لیے آتا۔

وہ عرشے کے کٹہرے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کی لہروں کا تماشا دیکھنے لگا۔ اُسی وقت دو آدمی اپنے کیبن سے دبے پاؤں باہر نکلے۔ اُنھوں نے سیاہ رنگ کے اوور کوٹ پہن رکھے تھے اور اُن کے چہرے نقابوں میں چھُپے ہوئے تھے۔ پھُونک پھُونک کر قدم رکھتے ہوئے یہ دونوں ٹارزن کی طرف بڑھے اور اِس سے پہلے کہ وہ خبردار ہو سکے، دونوں آدمی اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اُنھوں نے ٹارزن کی ٹانگیں پکڑیں اور آناً فاناً اُسے سمندر میں پھینک دیا۔ عین اسی وقت مِس سٹرانگ نے اپنے کیبن کے

شیشے میں سے دیکھا کہ اُوپر سے کوئی چیز سمندر میں گری ہے۔ شاید یہ کوئی آدمی تھا۔۔۔ لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی نے کوئی بیکار چیز سمندر میں پھینکی ہو۔ اگر کوئی آدمی سمندر میں گرتا تو جہاز کا الارم ضرور بجتا۔ پھر بھی اُسے فکر ضرور ہوئی۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ صُبح اُٹھتے ہی جہاز کے کپتان سے اِس واقعے کا ذکر کرے گی۔

اگلے روز واقعی جہاز سے ایک آدمی گُم تھا۔ مِس سٹرانگ نے جب ٹارزن کو نہ دیکھا تو ایک ملازم کو اُس کے کیبن میں بھیجا۔ ملازم نے واپس آکر بتایا کہ مسٹر جان اپنے کیبن میں نہیں ہیں اور اُن کا بستر بھی ویسے کا ویسا ہی ہے۔ چادر پر ایک بھی شکن نظر نہیں آتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بستر پر سوئے ہی نہیں۔ چند لمحے بعد سارے جہاز میں جان کے اچانک گُم ہو جانے کی خبر پھیل چکی تھی اور مسافر کپتان سے سوالات کر رہے تھے۔ ملّاحوں نے جہاز کا کونا کونا دیکھا مگر جان کا کہیں پتا نہ تھا۔

آخر کپتان مِس سٹرانگ کے پاس آیا۔ اُس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ اُس نے

کہا۔ ''مِس سٹرانگ میں افسوس کے ساتھ یہ خبر آپ کو دیتا ہوں کہ مسٹر جان گُم ہو گئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا حادثہ پیش آیا۔ ممکن ہے وہ سمندر میں گر گئے ہوں۔۔۔''

''یا کسی نے اُنہیں دھکّا دے دیا ہو۔'' لڑکی نے کہا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جان کی موت پر اُسے بے حد دُکھ تھا۔

# جنگل کی دُنیا میں

ٹارزن جونہی ٹھنڈے یخ پانی میں گرا، اُس نے تیزی سے تیرنا شروع کیا۔ وہ جلد سے جلد جہاز سے دُور ہو جانا چاہتا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اُسے دھکّا دینے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ چند لمحے بعد جہاز خاصی دُور جا چکا تھا اور اُس کی بتّیاں آہستہ آہستہ مدّھم پڑتی جا رہی تھیں۔ اب ٹارزن تھا اور بحرِ اوقیانوس کی بے رحم موجیں۔

اُس کے لبوں پر ایک عجیب سی مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اُس نے ہمّت ہارنا

سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ تیرتا رہا۔۔۔ تیرتا رہا۔۔۔۔ اُس نے جانگیے کے سوا سارے کپڑے اُتار کر سمندر میں پھینک دیے کیونکہ وہ تیرنے میں رُکاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ کوٹ اُتارتے ہوئے اُس نے جیبوں کی تلاشی لی تو وہ کاغذات غائب تھے جن کے لیے اُس نے یہ ساری مصیبتیں برداشت کی تھیں۔

ستارے ایک ایک کر کے مغرب کی جانب غائب ہونے لگے اور پھر مشرقی اُفق پر اُجالا پھیلنے لگا۔ ٹارزن کے بازُو اور پیر اب تیرتے تیرتے شل ہو چُکے تھے۔ اور اُس نے اپنے آپ کو لہروں پر چھوڑ دیا تھا۔ دوپہر کے وقت اُس نے کچھ فاصلے پر ایک بڑا سا تختہ بہتے دیکھا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ تختہ کِدھر سے آیا۔ اُس کے تھکے ہوئے بے جان جسم میں ایک نئی قوّت اُبھر آئی۔ وہ جلدی سے تختے کی طرف بڑھا اور اُس پر سوار ہو گیا۔ اب اُس نے دیکھا کہ یہ تختہ کسی جہاز کا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حال ہی میں کوئی جہاز سمندر میں غرق ہوا ہے اور یہ تختہ اُسی کا ہے۔ دو دِن اور دو راتیں ٹارزن

بھوکا پیاسا اُسی تختے پر لیٹا رہا۔ اس دوران میں کئی بار خوفناک شارک مچھلیوں نے اُس کا پیچھا کرنے اور اُسے ہڑپ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اُن کے حملوں سے بچتا رہا۔ تیسرے دِن صُبح کے وقت اُسے دُور۔۔۔بہت دُور سمندر میں ایک لکیر سی اُبھرتی نظر آئی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ تختہ لہروں پر تیزی سے بہتا ہوا اُسی لکیر کی جانب جارہا تھا۔ یہ لکیر آہستہ آہستہ صاف ہوتی گئی۔

ٹارزن کے جسم کا رُواں رُواں خوشی سے کانپنے لگا۔ ایک سر سبز اور شاداب جزیرے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ جزیرے سے ایک میل اِدھر ہی اُس نے بے تاب ہو کر تختے سے چھلانگ لگادی اور تیرتا ہوا ساحل کی جانب بڑھنے لگا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ یہ تو وُہی جزیرہ تھا جہاں وہ اِس مہم سے پہلے رہتا تھا۔ اور جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ پرانی یادیں اُس کے ذہن میں تازہ ہونے لگیں اور جب اُس نے اپنے اُس کیبن کو دیکھا جو برس ہا برس سے ویسے ہی کھڑا تھا تو اُس کے حلق سے خوشی

کے مارے ایک نعرہ نکل گیا۔

ساحل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر چند لمحے سستانے کے بعد وہ اُٹھا اور جزیرے کے گنجان حصّے کی طرف چلنے لگا۔ اب وہ پھر ٹارزن تھا۔۔۔ عظیم ٹارزن۔۔۔ جنگل کی خوفناک دُنیا پر حکومت کرنے والا اِنسان۔

جنگل کے گھنے اور تاریک حصّے میں پہنچتے ہی اُس نے وحشیانہ انداز سے اپنی آمد کا اِعلان کیا۔ فوراً ہی شمال کی جانب سے شیر کے گرجنے اور جواب دینے کی آواز سنائی دی اور پھر درختوں پر جھولتے ہوئے بندر خوشی سے خوخیانے لگے۔ وہ سبھی ٹارزن کو برسوں سے جانتے پہچانتے تھے۔ پھر تو جنگل میں ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی کہ ٹارزن آگیا ہے۔ شیر کی دھاڑ کے بعد جنوب کی جانب سے ہاتھیوں کے چنگھاڑنے کی آواز سنائی دی، ایک اُونچے درخت کی شاخوں میں چھپا ہوا چیتا ہلکے سے غرّایا اور نیچے کُود کر چھلانگیں لگاتا ہوا غائب ہو گیا۔

ٹارزن کیبن میں داخل ہوا تو وہاں ہر شے اُسی طرح رکھی ہوئی تھی جس

طرح وہ چھوڑ گیا تھا۔ کہیں کہیں مکڑیوں نے جالے تان دیے تھے۔ اور چوہے اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ اُن کی سُرخ سُرخ چمکتی ہوئی آنکھوں نے جب ٹارزن کو دیکھا تو فوراً ہی اپنے بِلوں میں گھُس گئے اور اُس وقت تک باہر نہ نکلے جب تک ٹارزن جھونپڑے سے باہر نہ نکل گیا۔ بھوک اُس کے لیے ناقابلِ برداشت بن چکی تھی۔ اب وہ شکار کی تلاش میں جارہا تھا اور اُس کے پاس ایک لمبے رسّے اور چاقُو کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

وہ ایک ندی کے کنارے رُکا۔ جی بھر کر ٹھنڈا پانی پیا، ہاتھ پیر اور منہ دھویا اور تازہ دم ہو کر آگے بڑھا۔ اب وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگاتا ہوا جارہا تھا۔۔۔ بندر کی طرح۔۔۔ اور پھر اُس نے لمبی گھنی گھاس میں کسی جانور کے چُپکے چُپکے حرکت کرنے کی آہٹ سُن لی۔ اُس نے اپنے آپ کو شاخوں اور پتّوں میں چھپا لیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ جانور کون ہے۔ چند لمحے بعد اُس نے اُسے دیکھ لیا۔ یہ شیر تھا۔ جنگل کا ایک اور بادشاہ۔ وہ بھی بھوک سے بے تاب تھا اور شکار کی تلاش میں پھر رہا تھا۔

"اچھا تو یہ بھی بھوکا ہے۔" ٹارزن نے مُسکرا کر اپنے آپ سے کہا۔ "اور میں بھی بھوکا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شکار پہلے کسے ملتا ہے۔"

شیر بہت دیر تک گھاس میں چھپا رہا۔ اُسے ٹارزن کی موجودگی کا پتا نہیں چل سکا۔ ورنہ وہ کسی اور طرف چلا جاتا۔ وہ اتنی بات تو خوب سمجھتا تھا کہ ٹارزن کے مقابلے میں اُسے کبھی شکار نہیں مل سکتا۔ یکایک ایک اور آواز سے ٹارزن کے کان کھڑے ہوئے۔ اُدھر شیر بھی چوکنّا ہو گیا اور پھر دونوں نے ایک ہی وقت میں اُس ہرن کو دیکھا جو آہستہ آہستہ جھاڑیوں میں سے گزرتا ہوا اُسی طرف آ رہا تھا۔ ٹارزن نے آنکھیں گھما کر شیر کی جانب دیکھا۔ شیر کی آنکھیں اب انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں اور وُہ گھاس میں پتھّر کے بے جان بُت کی طرح چھُپا بیٹھا تھا۔

ٹارزن جس درخت پر چڑھا ہوا تھا۔ ہرن اُسی درخت کے نیچے ایک لمحے کے لیے دم لینے کو رُکا۔ ٹارزن نے پھر شیر کی جانب دیکھا۔ بھوکے شیر کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور اب اُس کی دُم آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔

ٹارزن جانتا تھا کہ اگر ہرن اس درخت سے چند قدم آگے گیا تو پھر اُسے شیر کے خوفناک پنجوں سے دُنیا کی کوئی طاقت چھڑُا نہیں سکتی۔ اور اس سے پہلے کہ شیر ایک ہولناک گرج کے ساتھ اُچھل کر ہرن پر جھپٹے، ٹارزن نے رسّے کا پھندا بنا کر نیچے پھینکا۔ نشانہ ایسا صحیح تھا کہ پھندا ٹھیک ہرن کی گردن میں جا پڑا اور فوراً ہی ٹارزن نے اُسے کس کر ہرن کو اُوپر اُٹھالیا۔ وہ زمین سے تقریباً دس بارہ فُٹ اُونچائی پر فضا میں جھُول رہا تھا اور اُس کے حلق سے ڈراؤنی چیخیں نکل رہی تھیں۔

شیر نے شکار اپنے ہاتھ سے جاتا دیکھا تو اُس کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ وہ پوری قوّت سے گرجتا اور دھاڑتا ہوا گھاس میں سے نکلا اور ہرن کو پکڑنے کے ارادے سے درخت کی طرف لپکا۔ لیکن کئی بار اُچھلنے کے باوجود وہ اُس کو پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ ٹارزن درخت پر اطمینان سے بیٹھا ہنستا رہا۔ تھوڑی دیر بعد شیر کی ہمّت جواب دے گئی اور وہ مایوس ہو کر نفرت کی نظروں سے ٹارزن کو دیکھتا ہوا چلا گیا۔ اب شام کے سائے

گہرے ہونے لگے تھے اور ٹارزن جلد سے جلد اپنے گھر پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔ اُس نے چیختے اور ہاتھ پیر مارتے ہوئے ہرن کو زمین پر آہستہ سے رکھ دیا، پھر خود نیچے اُترا اور چاقُو کے ایک وار سے اُس کی گردن الگ کر دی۔ اِس کے بعد اُسے اپنے کندھوں پر ڈالا اور کیبن کی طرف چل دیا۔

کیبن میں پہنچ کر اُس نے ہرن کی لاش ایک کونے میں پھینکی۔ پھر چاقو سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے کیے۔ شکار کی ایک ران الگ رکھی اور باقی گوشت کیبن کی چھت کے ساتھ بندھے ہوئے چھوٹے چھوٹے رسّوں سے لٹکا دیا تاکہ کسی اور وقت کام آجائے۔ اس کے بعد اُس نے دو پتھّروں کو رگڑ کر گھاس پھونس کو آگ دکھا دی اور ہرن کی ران کو آگ کے شعلوں پر بھُوننے لگا۔ کچّا پکّا گوشت بڑے مزے سے ہڑپ کر کے وہ وہیں جلتی ہوئی آگ کے قریب آرام سے لیٹ گیا۔ چند لمحے بعد جھونپڑی کے کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے چُوہے اُس کے خرّاٹے سُن رہے تھے۔

# بھیانک سفر

کچھ دِن بعد رو کُوف کا جہاز کیپ ٹاؤن پہنچ گیا۔ اِس دوران میں رو کُوف نے جس نے اپنا نام تھورین رکھ لیا تھا، مس سٹرانگ سے میل ملاقات جاری رکھی اور پھر کیپ ٹاؤن میں بھی اُن کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد سے اِن لوگوں سے میل جول بڑھا رہا ہے۔ آخر ایک دِن پال وِچ نے پُوچھا تو رو کُوف نے مکّاری سے ہنستے ہوئے کہا۔

”تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔۔۔ مِس سٹر انگ کا باپ بہت امیر آدمی ہے اور اِس لڑکی کے سوا دُنیا میں اُس کی دولت کا مالک اور کوئی نہیں۔۔۔“

”خوب۔۔۔ خوب۔۔۔“ پال وِچ مُسکرایا۔ ”اب میں سمجھا۔ لیکن۔۔۔۔ کیا وہ تُم سے شادی کرے گی؟“

”ہُونہہ۔۔۔۔“ روکُوف نے غرور سے کہا۔ ”مجھ سے شادی نہ کرے گی تو جائے گی کہاں۔۔۔ میں نے ایسا جال ڈالا ہے کہ اب اُسے مجبور ہو کر مُجھ سے شادی کرنی ہی پڑے گی۔“

کئی ہفتے گزر گئے۔ اِس اثنا میں ٹینگٹن کا چھوٹا سا جہاز بھی کیپ ٹاؤن پہنچ گیا اور جین زمین پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے اپنی سہیلی مِس سٹر انگ کے گھر پہنچی۔ دونوں سہیلیاں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ اُن آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ باتوں باتوں میں سٹر انگ نے محسوس کیا کہ جین بہت اُداس ہے۔ اُس نے وجہ پوچھی تو جین نے کہا۔ ”ایک ہفتہ کیپ ٹاؤن میں ٹھہرنے کے بعد میں اور میرے والد انگلستان چلے جائیں

گے اور پھر۔۔۔ پھر میری شادی ہو جائے گی۔۔۔" یہ کہتے کہتے وہ سسکیاں لینے لگی۔ سٹرانگ نے اُسے گلے لگالیااور دِلاسہ دینے لگی۔

دو روز بعد سٹرانگ کے والد کے نام ایک تار آیا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ فوراً بالٹی مور پہنچیں۔ اُس نے سفر کی تیّاریاں شروع کر دیں۔ وہ اپنی بیٹی کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر ٹیننگٹن نے کہا کہ میرا جہاز انگلستان جارہا ہے۔ مس سٹرانگ اپنی سہیلی جین کے ساتھ انگلستان چلی جائیں اور اس کی شادی میں شریک ہوں۔ جب جین اور اُس کے والد نے بھی زور دیا تو سٹرانگ نے اُن کے ساتھ جانے کی حامی بھرلی۔

اُس وقت روکُوف بھی وہاں موجود تھا۔ ٹیننگٹن نے کہا کہ اگر آپ بھی انگلستان جانا چاہیں تو میرا جہاز حاضر ہے۔ وہ فوراً آمادہ ہو گیا۔ وہ تو دِل سے چاہتا تھا کہ اُسے بھی دعوت دی جائے۔ اُس نے اپنے ساتھی پال وِچ کے لیے بھی کہا۔ ٹیننگٹن پال وِچ کو بھی لے چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر روکُوف نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک خوشگوار اور چمکیلی صُبح کو اُن کا چھوٹا سا جہاز انگلستان کی جانب روانہ ہو گیا اور افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگا۔ پہلے ہی دِن کا واقعہ ہے کہ جین اور سٹرانگ اپنے کیبن میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ سٹرانگ نے اپنے سامان میں سے تصویروں کی ایک البم نکالی۔ یہ تصویریں اُس نے کیپ ٹاؤن آتے ہوئے جہاز پر اُتاری تھیں۔ اِن میں جہاز کے کئی مسافروں کی تصویریں بھی تھیں۔ یکایک ایک تصویر کو دیکھتے ہی سٹرانگ کا چہرہ اداس ہو گیا۔ اُس نے غم سے بھرّائی ہوئی آواز سے کہا۔ ”بے چارہ۔۔۔ جان۔۔۔“ پھر اُس نے جین سے کہا۔ ”جین، میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ یہ شخص کتنا شریف اور کتنا خوبصورت تھا۔۔۔ ایک دیو کی مانند طاقتور، مگر بچّے کی مانند معصوم اور بھولا بھالا۔ سفر کے دوران میں ایک رات وہ نہ جانے کِس طرح سمندر میں گِر گیا۔۔۔ ایسے شخص کو ابھی مرنا نہیں چاہیے تھا۔۔۔“ مِس سٹرانگ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جین کچھ فاصلے پر بیٹھی تھی، اِس لیے وہ تصویر نہیں دیکھ سکی۔ اُس نے اپنی سہیلی کو روتے دیکھ کر کہا۔

"ہاں، ایسے حادثے دُنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ شریف لوگ جلد چلے جاتے ہیں اور بدمعاشوں کی رسّی دراز ہوتی رہتی ہے۔"

"مگر۔۔۔۔ مگر۔۔۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اُس نے ایک مرتبہ تمہارا ذکر بھی کیا تھا۔" مِس سٹرانگ نے کہا۔

"میرا ذکر؟" جین نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، ہاں تمہارا ذکر۔۔۔ لو یہ تصویر دیکھو۔۔۔ شاید تم اُسے پہچان سکو۔" یہ کہتے ہوئے مِس سٹرانگ نے تصویر جین کی طرف بڑھائی۔ جین نے تصویر پر ایک نظر ڈالی اور پھر اُس کا چہرہ جیسے دُھلے ہوئے کپڑے کی مانند سفید پڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غش کھانے والی ہے۔۔۔ اُس کے حلق سے ایک باریک سی آواز نکلی۔۔۔۔ "ٹارزن۔۔۔۔ اُف، کیا تُم مر گئے۔۔۔۔" اور یہ کہتے ہی وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر گئی۔

ایک دو دِن کے اندر اندر ہی جین کی حالت مُردوں سے بدتر ہو گئی۔ وہ برسوں کی بیمار نظر آتی تھی۔ اُس کا پھول کی طرح کِھلا ہوا چہرہ سُوکھ گیا۔

آنکھیں اندر کو دھنس گئیں اور اُن کے گِرد سیاہ حلقے بن گئے۔ وہ ہر وقت اپنے کیبن میں بستر پر پڑی چھت کو گھورا کرتی۔ کھانا پینا سب چھُوٹ گیا۔ مِس سٹرانگ کے سِوا جہاز پر کوئی نہ تھا جس کو جین کی بیماری کی اصل وجہ معلوم ہو۔ اُن کا خیال تھا کہ سمندری سفر میں طبیعت اچانک خراب ہو جایا کرتی ہے اور جین کو بھی یہ مرض ہو گیا ہے۔ اُس کی حبشن نوکرانی اُس کی تیمارداری کر رہی تھی۔

جین کی بیماری کے دو روز بعد ہی اس جہاز پر ایک آفت آئی۔ اُس کا ایک انجن چلتے چلتے اچانک خراب ہو گیا اور جہاز اپنے راستے سے بھٹک کر نہ جانے کہاں جا نکلا۔ دو روز تک انجن کی مرمّت ہوتی رہی پھر وہ چلنے کے قابل ہوا لیکن اس کے فوراً بعد سمندر میں ایک خوفناک طوفان آیا۔ بڑی بڑی لہروں نے ایک کھلونے کی مانند جہاز کو اِدھر سے اُدھر پھینکنا اور اُچھالنا شروع کر دیا۔ جہاز کے عرشے پر جو سامان رکھا تھا وہ سب لہروں کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد دو ملّاح آپس میں لڑ پڑے۔ ایک نے دوسرے کو ہلاک

کر دیا۔ پھر مارنے والا خود بھی سمندر میں کُود گیا۔ اگلے روز جہاز کا ایک اور تجربے کار افسر غائب ہو گیا۔ تلاش کے باوجود اِس کا کوئی پتا نہ چل سکا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی سمندر میں گم ہو گیا ہے۔ اِن حادثوں نے جہاز کے مسافروں کو ڈرا دیا تھا اور ہر شخص کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاز پر کوئی مصیبت نازل ہوا چاہتی ہے۔ سب لوگ دُعائیں مانگ رہے تھے کہ آنے والی مصیبت کسی طرح ٹل جائے مگر اُن کی دُعائیں بے سُود ثابت ہوئیں۔ تیسرے روز رات کے ٹھیک ایک بجے جہاز نے ایک چکّر کھایا اور پھر دھماکے کی آواز سُن کر سوئے ہوئے مسافر جاگ اُٹھے۔ جہاز میں ہر طرف تاریکی تھی اور آسمان پر بادل گرج رہے تھے۔ سمندر کا سیاہ پانی بپھرا ہوا تھا اور جہاز پھِرکی کی مانند ایک ہی جگہ گھوم رہا تھا۔ اِس اندھیرے میں عورتیں اور مرد گِرتے پڑتے اور ایک دوسرے کو پُکارتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ صرف اتنی آواز کانوں میں آرہی تھی کہ انجن تباہ ہو گئے ہیں۔ اور جہاز کے اندر پانی بھر رہا ہے۔ اتنے میں کسی نے لیمپ جلایا۔ یہ جہاز کا کپتان تھا۔ اُس نے کہا۔

”خواتین اور حضرات، مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ جہاز اب سفر کے قابل نہیں رہا۔ اسے بچانا اب بے کار ہے۔ اِسے ڈوبنے میں کم از کم بیس منٹ لگ جائیں گے۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اِن کشتیوں پر سوار ہو جانا چاہیے جو جہاز کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔ مہربانی کر کے اپنے ساتھ صرف کھانے پینے کا سامان لے لیا جائے۔“

اِس کے بعد کپتان نے اپنے ماتحتوں کو جلد جلد احکام دینے شروع کیے۔ ملّاحوں اور عملے کے دوسرے لوگوں نے بھاگ دَوڑ کر کے چاروں کشتیاں پانی میں اُتار دیں اور مسافر اِن میں اُترنے لگے۔ جین اتنی کمزور تھی کہ دو قدم بھی چل نہ سکتی تھی۔ ویسے بھی اُسے ٹارزن کی موت کے بعد اپنی زندگی سے کوئی دِلچسپی نہ تھی۔ اُس نے سوچا اچھا ہے اِسی بہانے موت آ جائے گی۔ لیکن یکایک کسی نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ جین کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور پھر اُسے کچھ خبر نہ رہی۔

جب اُسے ہوش آیا تو صُبح کا اُجالا مشرق کی جانب پھیل رہا تھا۔ سمندر کی

لہریں پُر سکون تھیں اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ جین نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔اُس کی کشتی ایک جانب تیزی سے بہتی چلی جارہی تھی اور دُور دُور تک کسی اور کشتی کا نشان دکھائی نہ دیتا تھا۔اِس کے قریب ہی وِلیم اور روکُوف اوندھے منہ پڑے تھے اور کشتی کے آخری کونے پر تین ملّاح بے سُدھ یوں دکھائی دیے جیسے مر چُکے ہوں۔ جین کا دِل غم کی وجہ سے بیٹھنے لگا۔ وہ بے اختیار چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز نے کشتی میں پڑے ہوئے دوسرے لوگوں کو جگا دیا۔ اب انہوں نے بھی دیکھا کہ لمبے چوڑے سمندر میں صرف وہی چھ شخص ہیں جو کشتی پر سوار کسی نامعلوم منزل کی جانب چلے جارہے ہیں۔ وِلیم نے تعجّب سے کہا۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ چاروں کشتیاں حفاظت سے سمندر میں اُتار دی گئی تھیں۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ اب وہ کہاں ہیں؟"

"جناب آپ اُن کی فکر نہ کیجئے۔" ایک ملّاح نے کہا۔ "اُس کا نام ٹومکن تھا۔

”کشتیاں اِدھر اُدھر بکھر گئی ہیں۔ خُدا نے چاہا تو بہت جلد وہ ہم سے آ ملیں گی یا ہم اُن تک پہنچ جائیں گے۔ ویسے بھی کشتیوں کا ایک دوسرے سے الگ ہو جانا ہی بہتر تھا۔ ممکن ہے سمندر میں جانے والا کوئی جہاز کسی کشتی کو دیکھ کر مدد کے لیے آ جائے۔ اِسی صورت میں باقی کشتیاں بھی بچ سکتی ہیں۔ ایک ساتھ سفر کرنے میں یہ فائدہ نہیں ہوتا۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ اِس طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا تھا۔“ وِلیم نے کہا۔

اس دوران میں روکُوف چُپ چاپ کچھ سوچتا رہا۔ آخر اُس نے سختی سے ملّاح ٹومکن سے کہا۔ ”اس بکواس کو چھوڑو۔۔۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کشتی پر پانی اور خوراک کتنی ہے۔“

تینوں ملّاح اُس کی جانب حیرت اور غصّے کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ پھر ٹومکن ہی نے جواب دیا۔ ”جنابِ والا، زبان سنبھال کر بات کیجئے۔ میں آپ کا غلام نہیں ہوں جو آپ مجھ پر حکم چلا رہے ہیں۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ کشتی میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔“

”سؤر۔۔۔کُتّے۔۔۔“ روکُوف نے چلّا کر کہا اور گھونسا تان کر لڑنے کے ارادے سے آگے بڑھا لیکن وِلیم نے اُسے روک دیا اور کہا۔ ”مسٹر تھورین، افسوس ہے کہ آپ نے لڑنے کا یہ موقع بالکل غلط تلاش کیا ہے۔ ہم سب ایک مصیبت سے دوچار ہیں۔ پہلے اِس سے نپٹنے کی کوئی تدبیر ہونی چاہیے۔ یہ لڑائی جھگڑا تو بعد میں ہوتا رہے گا۔“

”آپ نہ روکتے تو میں اِن بدمعاشوں کو ابھی مزہ چکھا دیتا۔“ روکُوف نے غرّا کر کہا۔ ”کمینے لوگ لاتوں اور گھونسوں ہی سے دُرست رہ سکتے ہیں۔“

اِس کے بعد انہوں نے راشن کا جائزہ لیا۔ پینے کے پانی کا ایک کنستر تھا اور ایک کنستر خشک بسکٹوں کا۔ اِس کے علاوہ کشتی میں اور کوئی شے نہ تھی۔

”ہمیں اِس پانی اور خوراک کو احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے۔“ وِلیم نے کہا۔ ”کچھ معلوم نہیں کہ کب تک ہمیں سمندر کے سینے پر تیرنا پڑے۔ میں سب لوگوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے میں سے ایک کو اس کشتی کا کمانڈر مقرر کر لیں اور سب اُس کا حکم مانیں۔“

”ہم چاہتے ہیں کہ کمانڈر آپ ہی کو بنائیں۔“تینوں ملّاحوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ جین نے بھی سر ہلایا۔ روکُوف غصّے سے ہونٹ کاٹتا رہا لیکن کچھ بولا نہیں۔

”بہت اچھا۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔“ وِلیم نے کہا۔ ”روزانہ صُبح شام ہر شخص کو ایک چُلّو پانی پینے کے لیے اور دو بسکٹ کھانے کو ملیں گے۔ مجھے اُمید ہے کوئی صاحب اِس سے زیادہ کی خواہش نہ کریں گے۔“

اُن سب کو پوری اُمید تھی کہ چند روز کے اندر اندر سمندر میں سفر کرنے والا کوئی جہاز اُنہیں بچا لے گا۔ مگر جب ایک ہفتہ گزر گیا اور کوئی جہاز دکھائی نہ دیا تو اُنہیں نااُمیدی نے گھیر لیا۔ روکُوف کی وجہ سے اُن کا سکون بھی غارت ہو چکا تھا۔ یہ شخص ہر وقت لڑنے مرنے پر آمادہ نظر آتا۔ کئی بار ملّاحوں سے اُس کی تُو تُو مَیں مَیں اور دھینگا مشتی ہو چکی تھی۔ اُس نے اِس دوران میں کئی مرتبہ بسکٹ بھی چرائے اور اپنے حصّے سے زیادہ پانی بھی پیتا رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھویں روز اُن کے پاس پینے کے پانی کا ایک

گھونٹ بھی نہ تھا۔ اور بسکٹ تو ایک دِن پہلے ہی ختم ہو چکے تھے۔

”دوستو! اب بارش کی دُعا مانگو۔“ ولیم نے کہا۔ ”اب بارش کا پانی ہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔“

جین پر غشی کی سی حالت طاری تھی اور یہی حال تینوں ملّاحوں کا تھا، اُن کی ڈاڑھیاں اور مُونچھیں بے تحاشا بڑھ چکی تھیں اور کپڑے پھٹ کر چیتھڑوں میں بدل گئے تھے۔ سردی اور دُھوپ سے بچاؤ کا اُن کے پاس کوئی انتظام نہ تھا۔ سُورج دِن بھر آگ برسانے کے بعد جب مغرب میں چھُپ جاتا تو یک دم سرد ہوا کے جھونکے چلنے شروع ہوتے۔ پھر آہستہ آہستہ سردی بڑھنے لگتی۔ اور اِن بدنصیبوں کے دانت بجنے لگتے۔ لیکن وہ ٹھٹھرتے رہتے۔ صُبح سورج نکلتا تو اُن کی جان میں جان آتی۔ مگر وہی دُھوپ جو صُبح کے وقت اِن کے جسموں کو گرم کرتی تھی، دوپہر تک جان لیوا بن جاتی۔ اِن کے بدن دُھوپ میں تپ تپ کر کوئلے کی مانند کالے پڑ چُکے تھے۔

سفر کے پندرہویں روز، دوپہر کے وقت یکایک کشتی کے اندر ایک چیخ سُنائی دی۔ یہ وِلسن نامی ملّاح تھا جو گھٹی گھٹی آواز میں رو رہا تھا۔ چند لمحے بعد اُس کے رونے کی وجہ معلوم ہوگئی اور سبھی کے دِل بیٹھنے لگے۔

کشتی کا ایک بدنصیب مسافر دم توڑ چُکا تھا اور یہ وِلسن کا بھائی تھا۔ نہ جانے اُس کا دم کب نکلا۔ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اُنہوں نے بڑی کوشش کے بعد اِس کی لاش کو سمندر میں پھینکا اور پھر بے دم ہو کر کشتی میں گِر گئے۔

وِلسن اب پاگل سا ہو گیا تھا۔ وہ آپ ہی آپ نہ جانے کیا بُڑبُڑایا کرتا۔ کبھی ہنستا، کبھی روتا اور کبھی گیت گانے لگتا۔ اپنے بھائی کی موت کے صدمے نے اُس کی یہ حالت کر دی تھی۔ آخر ایک روز وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چند قدم چلنے کے بعد ایک دم اپنے آپ کو سمندر میں گِرا دیا۔ بپھری ہوئی موجیں آناً فاناً اُسے نِگل گئیں۔

اب کشتی کے چھ مسافروں میں سے دو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رُخصت ہو چکے تھے۔ اور کون جانے باقی چار مسافر بھی کب یہ دُنیا چھوڑ کر اگلے جہان کو

روانہ ہو جائیں۔ سچ پوچھو تو انہیں اب زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ دلچسپی تو اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو زندہ رہنا چاہتے ہوں۔ یہاں تو معاملہ اُس کے بالکل اُلٹ تھا۔ جین تو اُسی دِن مر گئی تھی جس دِن اُسے سٹرانگ کی زبانی پتا چلا تھا کہ ٹارزن سمندر میں ڈوب گیا۔ اور اب اپنے عزیز باپ اور محبّت کرنے والی سہیلی سے بچھڑ جانے کے بعد اس کے دِل میں زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ ممکن ہے رو کُوف زندہ رہنا چاہتا ہو کیونکہ اُس شخص کے ذہن میں بہت سی سکیمیں تھیں۔ مگر اب اُس کی حالت دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی دم کا مہمان ہے۔ وہ ایک گوشے میں دُبکا ہوا تھا اور اُس کے سانس لینے کی رفتار بڑی مدھم تھی۔

اٹھارویں روز تیسرا ملّاح بھی مرا ہوا پایا گیا۔ اب ان لوگوں میں اتنی قوّت بھی نہ تھی کہ اُس کی لاش کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک سکیں۔ پھر بھی وِلیم ہمّت کر کے لاش کو اُٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر جین نے بھی ہمّت کی اور آگے سِرک کر ولیم کا ہاتھ بٹانے لگی۔ اُنہوں نے ہانپتے ہوئے

بڑی مُشکل سے ملّاح کی لاش کو اُٹھا کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چُکی تھی کہ اچانک وِلیم نے کشتی میں کسی کے حرکت کرنے کی آواز سُنی۔ آواز اُس طرف سے آ رہی تھی جس طرف رو کُوف لیٹا تھا۔ ولیم کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ آواز لمحہ بہ لمحہ صاف ہوتی گئی۔ ولیم نے چیخنا چاہا مگر آواز اس کے حلق سے نہ نکلی۔ آہٹ کی آواز اور قریب آ گئی۔ پھر ولیم نے اپنی ٹانگوں پر کسی کا بوجھ محسوس کیا۔ اس مرتبہ اُس کے حلق سے ایک گھُٹی گھُٹی سی چیخ نکل ہی گئی اور پھر اُسے کچھ ہوش نہ رہا۔

مشرق کی جانب سے صُبح کی روشنی جب پھیلنے لگی تو ولیم ہوش میں آیا۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر کُچھ نظر نہ آیا۔ پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور ایک سہانا خواب دیکھنے لگا۔ بارش۔۔۔ موسلا دھار بارش۔۔۔ پانی نے اُس کا جسم تر کر دیا ہے۔۔۔ پھر اُس نے منہ کھول دیا اور خشک زبان تر کی۔۔۔ آہ۔۔۔ اب اُس کے بدن میں جان پڑنے لگی۔۔۔

ٹھنڈا پانی۔۔۔ لیکن یہ تو خواب ہے۔۔۔ خواب نہیں حقیقت۔۔۔۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ خوشی سے اُس کا دِل جھوم اُٹھا۔ آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور بارش ہو رہی تھی۔ اُس نے اُٹھنا چاہا لیکن اُس کے پیروں پر کچھ بوجھ سا تھا۔ ولیم نے غور سے دیکھا، یہ تھورین (روکُوف) تھا۔ وہ اوندھے منہ بے ہوش پڑا تھا اور اُس کے دائیں ہاتھ میں چاقو تھا۔

ولیم نے کوشش کر کے اپنی ٹانگیں آزاد کرائیں۔ پھر اُس نے روکُوف کے ہاتھ سے چاقو لے کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا اور جین کی طرف بڑھا۔ یہ بدنصیب لڑکی ایک گٹھڑی سی بنی ہوئی ٹانگیں سینے سے لگائے پڑی تھی۔ اِس میں زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔

کیا جین مر گئی۔۔۔؟ یہ سوچ کر ولیم کا دِل ڈوبنے لگا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور لرزتے ہاتھ سے جین کی گردن اُوپر اُٹھائی۔۔۔ ابھی وہ زندہ تھی۔۔۔ مگر مُردوں سے بدتر۔۔۔ ولیم نے بارش کا پانی اس کے خشک ہونٹوں پر ملا۔

تھوڑی دیر بعد جین نے بے ہوشی کے عالم میں کہنا شروع کیا۔ "پانی۔۔۔ پانی۔۔۔"

"جین۔۔۔ جین۔۔۔ آنکھیں کھولو۔۔۔ بارش ہو رہی ہے۔۔۔" جین نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔ اور سب سے پہلے اُس کی نظر روکُوف پر پڑی جو کشتی میں اوندھے منہ پڑا تھا۔

"کیا تم نے اُسے مار ڈالا ولیم؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں وہ زندہ ہے۔۔۔ بے ہوش ہے۔۔۔ اُس نے آدھی رات کو مُجھ پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر شاید کمزوری کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا اور میرے قدموں میں گِر گیا۔" ولیم نے کہا اور پھر روکُوف کا چاقو نکال کر جین کو دکھایا۔ "اب میں چاہوں تو اِس بدمعاش کو قتل کر سکتا ہوں۔"

"نہیں نہیں۔۔۔۔ ایسا نہ کرو۔۔۔۔" جین نے کہا۔ اُسے آپ اپنی موت مرنے کے لیے چھوڑ دو۔

"میں ابھی اسے سیدھا کیے دیتا ہوں۔" ولیم نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ اُسے یونہی پڑا رہنے دو۔" جین نے کہا۔ "پانی پی کر اُس کے بدن میں جان آجائے گی۔ پھر وہ تم سے ضرور دھینگا مُشتی کرے گا۔"

"ممکن ہے وہ مر ہی گیا ہو۔۔۔ دیکھنا تو چاہیے۔" یہ کہہ کر ولیم آگے بڑھا ہی تھا کہ اُس کی نگاہیں کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک لمبی سُرمئی رنگ کی لکیر پر پڑیں۔ اُن کی کشتی تیزی سے اُسی لکیر کی جانب بڑھ رہی تھی اور یہ لکیر۔۔۔ آہستہ آہستہ صاف ہوتی چلی گئی۔

"زمین۔۔۔ زمین۔۔۔" ولیم چلّایا۔ "خُدا کا شُکر ہے کہ زمین دکھائی دی۔" جین نے بھی اُٹھ کر دیکھا۔۔۔۔ دُور۔۔۔ بہت دُور۔۔۔ افریقہ کا کوئی گھنا اور تاریک جنگل نظر آ رہا تھا۔ پھر درخت صاف دکھائی دینے لگے۔

"اب تم چاہو تو اِسے ہوشیار کر سکتے ہو۔" جین نے روکُوف کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔

# بونگا گاؤں

جنگل کی دُنیا میں دوبارہ لوٹ آنے کے بعد ٹارزن سب کچھ بھُول چُکا تھا۔ اُسے ایک بات کا دُکھ ضرور تھا اور وہ یہ کہ اُس بدمعاش روکُوف کو کوئی سزا نہ دے سکا۔ ایک دو مرتبہ اُسے مِس سٹرانگ کا خیال بھی آیا۔ خُدا جانے اس معصوم لڑکی پر کیا بیتی ہو گی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ موذی روکُوف اور اُس کا خونخوار ساتھی پال وِچ اُس لڑکی کے بارے میں کوئی بُرا ارادہ رکھتے ہیں۔

تیسرے روز ٹارزن بالکل تازہ دم ہو کر جنگل کی سیر کو نکلا۔ اب اُس کا پیٹ اچھی طرح بھرا ہوا تھا اور اُسے کوئی فکر نہ تھی۔ اُس نے سوچا بونگا گاؤں کی طرف چلنا چاہیے۔ اس گاؤں میں جنگلی لوگوں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اور یہاں اُس کے کئی پرانے دوست رہتے تھے۔ خُدا معلوم اُس کی غیر حاضری میں اُن بے چاروں پر کیا گزری ہو گی۔ اُس نے دِل میں سوچا۔ مجھے یہاں آئے تین دِن ہو گئے اور ابھی تک بونگا قبیلے کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ یکایک ایک خیال آتے ہی اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ غلاموں کی تجارت کرنے والوں نے پھر اِن پر حملہ کیا ہو اور بہت سے لوگوں کو غلام بنا کر لے گئے ہوں۔ ضرور یہی بات ہے۔

ٹارزن کے دِل کی دھڑکن آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔ اُس کا ہاتھ خنجر کے دستے پر جم گیا۔ اُس نے جھونپڑی میں واپس جا کر لپٹا ہوا رسّا نکال کر کندھے پر ڈالا اور بونگا گاؤں کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ سارا دِن چلتا رہا۔ اب وہ جنگل کے ایک گھنے اور تاریک حصّے میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں فضا میں نمی

تھی اور گھاس آدمی کے قد سے بھی اُونچی تھی۔ درختوں کی شاخیں ایک دوسرے سے گتھی ہوئی تھیں اور اُنھوں نے مغرب کی جانب ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی کا راستہ روک رکھا تھا۔ ایک چشمے کے قریب پہنچ کر ٹارزن نے پانی کے چند گھونٹ پیے، تھوڑی دیر سستایا اور پھر آگے چل پڑا۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ کر جب اُس نے نیچے جھانکا تو بونگا گاؤں اُس کے قدموں تلے تھا۔ مگر کس حال میں؟ جھونپڑیاں جلی ہوئی تھیں۔ سامان اِدھر اُدھر پھیلا ہوا تھا اور کہیں کہیں عورتوں، بچّوں اور آدمیوں کی لاشیں بھی پڑی تھیں۔

ٹارزن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس لیے نہیں کہ وہ بُزدل تھا اور اِن لاشوں کو دیکھ کر ڈر گیا تھا بلکہ اِس لیے کہ وہ ایسا ظلم برداشت نہ کر سکتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ کالی چمڑی والے بھی آخر انسان ہیں۔ پھر سفید لوگ اُنھیں دُکھ کیوں پہنچاتے ہیں اور حقیر کیوں سمجھتے ہیں۔ کیا دُنیا میں کالے رنگ کے انسانوں کو جینے کا کوئی حق نہیں۔

تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد ہی اُسے پتا چل گیا کہ بونگا بستی میں کوئی شخص زندہ سلامت نہیں جو اس حادثے کے بارے میں صحیح صحیح باتیں بتائے۔ حملہ آوروں نے پوری بستی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

ٹارزن ویران اور اُجڑی ہوئی بستی میں ایک دِن ٹھہرا۔ اُسے اُمید تھی کہ کوئی نہ کوئی آدمی اِدھر ضرور آئے گا اور اُس سے صحیح حالات معلوم ہو سکیں گے لیکن کوئی نہ آیا۔ مجبور ہو کر وہ جنگل میں چل پڑا۔ شام ہوئی تو سو فُٹ اُونچے ایک گھنے درخت پر چڑھا اور مضبوط شاخوں کے درمیان لیٹ کر اطمینان سے سو گیا۔ منہ اندھیرے اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے بھوک محسوس کی۔ لیکن اب اُسے شکار تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ جنگل کے اس حصّے میں بھینسوں اور بارہ سنگھوں کی کمی نہ تھی۔ چند لمحے بعد اُس کا خنجر سنسناتا ہوا گیا اور ایک بھینسے کی گردن میں گڑ گیا۔ اُس نے خوشی کا نعرہ لگایا اور زخمی بھینسے کو پکڑنے کے لیے اُس کے پیچھے دوڑا۔ تھوڑی دیر کی بھاگ دوڑ اور کوشش کے بعد اُس نے بھینسے کو پکڑ ہی لیا۔ اور خنجر سے

آناً فاناً اُس کے کئی ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر پتھّروں کو رگڑ کر خشک گھاس پھُونس میں آگ لگائی۔ شکار کی ایک سالم ران بھُونی اور بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھانے لگا۔ باقی گوشت اس نے دوسرے جانوروں کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔

اب اُس کا ارادہ پانی پینے کا تھا لیکن تلاش کے باوجود آس پاس کہیں پانی نہ ملا اور یہی وہ لمحہ تھا جب اُس کی ناک میں ایک ایسی بُو پہنچی جس نے اُسے چوکنّا کر دیا۔ یہ بُو کسی انسان کے جسم کی تھی۔ ٹارزن چیتے کی مانند پھُرتی سے ایک درخت پر چڑھ گیا اور اپنے آپ کو پتّوں میں چھپا لیا۔ چند منٹ بعد اُس کی نظروں نے اُس آدمی کو دیکھ لیا جو جنگل کی پتلی سی پگڈنڈی پر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ اُس کا سیاہ رنگ سورج کی دُھوپ میں چمک رہا تھا۔ بدن پر ایک لنگوٹی کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔ اور یہ لنگوٹی بھی کپڑے کے بجائے بڑے بڑے پتّوں سے بنی ہوئی تھی۔ اُس کا جسم بھی ٹارزن ہی کی طرح لمبا تڑنگا اور طاقتور تھا۔ اُس نے اپنے گلے اور ہاتھ

پیروں میں زرد رنگ کی چمکتی ہوئی دھات کے کڑے پہن رکھے تھے۔

دائیں ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا۔ اُس کی چال ڈھال سے ٹارزن نے اندازہ لگایا کہ یہ کسی وحشی قبیلے کا آدمی ہے اور ممکن ہے ٹارزن جیسے سفید شخص کو دیکھتے ہی حملہ کر بیٹھے اِس لیے اُسے چُپکے سے قابو میں کرنا چاہیے۔

یہ سوچ کر ٹارزن نہایت احتیاط سے شاخوں کو پکڑتا ہوا درخت سے نیچے اُترنے لگا۔ اتنے میں آنے والا اُس درخت کے قریب سے گزر کر ذرا دُور جا چُکا تھا۔ اچانک ٹارزن کی ناک میں ایک اور بُو آئی جو کسی انسان کی نہ

تھی۔ یہ بُو ایسی نہ تھی جسے ٹارزن جیسا آدمی پہچاننے میں دیر لگاتا۔ وہ فوراً اُسی جگہ تھم گیا اور گردن گھُما کر لمبی گھاس پر نظریں گاڑ دیں۔ ایک طاقتور شیر گھاس میں چُپکے چُپکے حرکت کر رہا تھا۔ اُس کا جبڑا بھیانک انداز میں کھُلا ہوا تھا اور وہ بالکل بِلّی کی مانند دبے پاؤں آگے بڑھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے آگے جانے والے جنگلی آدمی کو پکڑنے کی فکر میں ہے۔

ٹارزن فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ ایک ہی وقت میں دو دُشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان بات نہ تھی اور دُشمن بھی وہ جو جنگل ہی کی دنیا کے رہنے والے تھے اور اُن تمام داؤ پیچ سے واقف جو ٹارزن جانتا تھا۔ لیکن اُسے ایک درندے کے مقابلے میں اپنے ہی جیسے ایک انسان کی جان زیادہ عزیز تھی۔ اُس نے جنگلی آدمی کو بچانے کا ارادہ کر لیا۔ اِتنے میں شیر اپنے شکار کے بالکل قریب پہنچ چُکا تھا اور اب اُس پر چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ ٹارزن نے للکار کر آگے جانے والے آدمی کو

خبر دار کر دیا۔

ٹارزن کی گرج دار آواز سُن کر آگے جانے والا حبشی اور اُس کا پیچھا کرنے والا شیر دونوں ایک دَم رُک گئے۔ حبشی نے مُڑ کر دیکھا تو اُسے چند قدم کے فاصلے پر لمبی گھاس میں شیر حرکت کرتا نظر آیا جو اُس پر حملہ کرنے کے لیے چھلانگ لگانے ہی والا تھا۔

یکایک قریب ہی ایک درخت کی گھنی شاخوں میں سے سانپ کی مانند بل کھاتا ہوا رسّا نیچے آیا اور اُس کا پھندا شیر کی گردن میں پڑ گیا۔ شیر نے غضب ناک ہو کر پورا جبڑا کھولا اور اس طرح دھاڑا کہ زمین تھرّا گئی۔ پھر اُس نے زور دار چھلانگ لگائی۔ لیکن گردن میں پڑے ہوئے رسّے نے اُسے حبشی کے نزدیک پہنچنے کا موقع نہ دیا اور شیر کا پنجہ ہوا میں لہرا کر رہ گیا۔

دوسرے ہی لمحے ٹارزن درخت سے کُود کر زمین پر آگیا۔ اب شیر نے مُڑ کر اپنے نئے دُشمن کو دیکھا۔ اُس کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ ایک ہولناک

گرج کے ساتھ وہ مُڑ کر ٹارزن کی طرف آیا۔ یہ موقع ایسا نازک اور خطرناک تھا کہ ٹارزن اپنی بے مثال پھُرتی اور طاقت کے باوجود شیر کے حملے سے محفوظ نہ تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔ اچانک حبشی نے اپنا دایاں بازُو فضا میں بُلند کیا اور پھر اُس کا نیزہ سنسناتا ہوا آیا اور شیر کے دائیں شانے میں گھُس گیا۔ شیر اُلٹ کر گِرا اور زمین پر لوٹنے لگا۔ اب ٹارزن پھِرکی کی طرح درخت کے مضبوط تنے کے گِرد گھوم گیا اور یُوں اُس نے شیر کی گردن میں پڑا ہوا رسّا اچھی طرح کَس دیا۔ حبشی نے شیر کو بے بس پا کر خوشی سے دانت نکال دیے اور پھر آگے بڑھ کر اس کے شانے میں کھُبا ہوا نیزہ نکال لیا۔ زخمی شیر کی دھاڑ اور گرج سے فضا پر کپکپی طاری تھی اور پرندے گھبرا کر اپنے گھونسلوں سے نکل آئے تھے۔

چند لمحوں میں اِرد گرد سے بے شمار لوگ، جن میں بچّے بھی تھے اور عورتیں بھی، لمبے تڑنگے مرد بھی تھے اور بُڈّھے بھی۔۔۔ چیونٹیوں کی طرح نمُودار ہونے لگے۔ وہ سب حیرت اور خوف کی نظروں سے اُس

سفید چمڑی والے شخص کو دیکھ رہے تھے جس نے جنگل کے بادشاہ کی گردن میں پھندا ڈال کر اُسے بے بس کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُنہیں ساری بات معلوم ہو گئی اور وہ خوشی سے ناچنے اور اُچھلنے کُودنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے شیر کو اپنے نیزوں اور کلہاڑیوں کی مدد سے ہلاک کر ڈالا اور ٹارزن کو اپنے گھیرے میں لے کر اپنی بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ لوگ بوسولی قبیلے کے تھے اور اُن کی چھوٹی سی بستی جنگل کے گھنے حصّے میں تھی۔ اُس کے قریب ہی پانی کا ایک چشمہ بہتا تھا۔ اِن لوگوں نے ٹارزن کو بتایا کہ چند دِن پہلے غلاموں کی تجارت کرنے والے سفید آدمیوں اور اُن کے حبشی غلاموں نے بونگا قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ وہ اُن کے بہت سے آدمیوں اور عورتوں کو غلام بنا کر لے گئے اور انہوں نے ان کا سونا اور ہاتھی دانت بھی چھین لیے۔ انہوں نے ایک روز بوسولی قبیلے پر بھی حملہ کیا تھا لیکن اُنہوں نے ڈٹ کر حملہ آوروں کا مُقابلہ کیا اور اُن کے کئی

آدمی مار ڈالے۔ حملہ آور بھاگ گئے مگر جاتے ہوئے انہوں نے قسم بھی کھائی تھی کہ وہ بہت جلد دوبارہ آئیں گے اور اس قبیلے کو تہس نہس کر ڈالیں گے۔ وہ سب بڑی محبّت سے ٹارزن کو دیکھ رہے تھے جس کا چہرہ حملہ آوروں کے ظلم و ستم کی یہ کہانی سُن کر غصّے کے مارے سُرخ ہو گیا تھا۔ اُس نے جس شخص کی جان شیر سے بچائی تھی وہ اس قبیلے کا سردار تھا اور اُس کا نام بوسولی تھا۔ وہ ٹارزن سے کہنے لگا۔

"جناب مجھے یقین ہے کہ حملہ آور بس ایک دو روز میں اِدھر آنے ہی والے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔۔۔ میں اُن سے نبٹ لوں گا۔" ٹارزن نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور یہ سُنتے ہی سب لوگ خوشی کے مارے اُچھلنے کُودنے اور ناچنے لگے۔

اس قبیلے کے مردوں اور عورتوں نے سونے کے بہت سے بھدّے زیور اپنے جسموں پر سجا رکھے تھے۔ ٹارزن حیران تھا کہ اُن کے پاس اتنا سونا کہاں سے آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قریب ہی سونے کی کوئی کان ہے۔

رات کے وقت انہوں نے ٹارزن کی دعوت کا انتظام کیا۔ بارہ سنگھے، ہرن، جنگلی بھینسے کے علاوہ ہاتھی کا گوشت بھی موجود تھا۔ بستی کے سب لوگ ایک دائرے کی صورت میں آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھ گئے۔ آگ پر لکڑی کی موٹی موٹی شاخوں میں پرویا ہوا گوشت بھُونا جانے لگا اور سب لوگ یہ کچّا پکّا گوشت ناخنوں سے نوچ نوچ کر اور دانتوں سے بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھانے لگے۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ رات گئے تک ناچتے اور ڈھول پیٹتے رہے اور پھر وہیں لیٹ کر سو گئے۔

اگلے روز ٹارزن کو پتا چلا کہ اِن لوگوں نے اُسے اپنا سردار چُن لیا ہے۔ اُس نے بوسولی سے بڑا کہا کہ میں سردار بننا نہیں چاہتا۔ یہ عہدہ تمہیں ہی مبارک ہو مگر بوسولی نے ہنس کر کہا کہ آپ کو سردار بننا پڑے گا، کیونکہ آپ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور آدمی ہیں اور حملہ آوروں سے ہمیں محفوظ رکھیں گے۔

"لیکن ایک بات یاد رکھو بوسولی۔" ٹارزن نے کہا۔ "اور اپنے تمام

ساتھیوں سے بھی کہہ دینا کہ میں اُسی وقت تک تمہارا سردار ہوں جب تک تم میرا حکم مانو گے۔ اگر تُم نے کبھی میرے حکم کے خلاف کام کیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری ہر بات مانیں گے۔" بوسولی اور اُس کے ساتھیوں نے جواب دیا۔

"اور یہ بھی وعدہ کرو کہ تُم مجھ سے کوئی بات چُھپاؤ گے نہیں۔" ٹارزن نے کہا۔ "میں جو کُچھ پوچھوں گا سچ سچ بتاؤ گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہمیں جو کُچھ معلوم ہو گا سچ سچ بتا دیں گے۔"

"اچھا تو پھر بتاؤ کہ پیلے رنگ کی یہ دھات تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" ٹارزن نے اُن کے زیوروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

ٹارزن کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہی بوسولی اور دوسرے لوگوں کو سکتہ سا ہو گیا۔ چند لمحے تک وہ ایک دوسرے کو گھورتے رہے، پھر بوسولی نے ایسا

قہقہہ لگایا کہ اُس کے سفید سفید چمکیلے دانت حلق تک نظر آنے لگے۔

"بس اِتنی سی بات تھی جو آپ ہم سے پُوچھنا چاہتے تھے؟" اُس نے کہا۔
"کیا آپ کو اِس چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ پھر بھی تم مجھے بتاؤ کہ یہ تمہارے پاس کیسے آئی؟"

"سنیے سردار، میں آپ کو بتاتا ہوں۔" بوسولی نے کہا اور ٹارزن کو ایک لمبی لیکن بے حد دلچسپ داستان سُنائی۔ وہ کہنے لگا۔ "یہاں سے بہت دُور۔۔۔ اُس مقام پر جہاں سے سورج نکلتا ہے، پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کے پیچھے ایک بستی ہے۔ ہم میں سے کسی نے اُس بستی کو نہیں دیکھا، کیونکہ یہ بہت پرانا قصّہ ہے۔ اُن دِنوں میرے باپ کا باپ جوان تھا اور اُسے نت نئے کارنامے کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اپنے اِسی شوق کی خاطر وہ دُور دراز علاقوں میں نکل جاتا۔ کئی مرتبہ وہ مرتے مرتے بچا۔ اِسی طرح ایک بار وہ اپنے ساتھ چند بہادر اور بے خوف آدمیوں کو لے کر جنوب مشرق کی جانب

چل پڑا۔ اُس نے اتنے دِن سفر کیا جتنے دِن میں ایک بار چاند نکل کر پورا ہوتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے اتنا باریک ہو جاتا ہے کہ ہم اُسے دیکھ نہیں سکتے۔"

ٹارزن سمجھ گیا کہ بوسولی کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے دادا نے جنوب مشرق کی جانب پورا ایک مہینہ سفر کیا۔ وہ بولا۔ "آگے بیان کرو بوسولی، میں تمہاری کہانی بڑے شوق سے سُن رہا ہوں۔"

"ہاں، یہ کہانی بڑی دلچسپ ہے۔" بوسولی نے کہا اور پھر کہنے لگا۔ "جب میرے باپ کا باپ پہاڑوں کے اُس پار پہنچا جہاں ایک بہت ہی تاریک اور گھنا جنگل تھا تو اُس نے ایک عجیب قسم کی مخلوق کو چلتے پھرتے دیکھا۔ اُن کے بھی ہماری طرح دو ہاتھ اور دو پیر تھے۔ دو آنکھیں تھیں اور دو کان۔۔۔ لیکن نہ وہ ہماری طرح بالکل کالے تھے اور نہ آپ کی طرح گورے چٹّے۔ بس اُن کا رنگ درمیانہ تھا مگر اُن کے جسموں پر ریچھ کی طرح لمبے اور گھنے بال تھے اور جب وہ غرّا کر ایک دوسرے کو پکارتے تو

یوں محسوس ہوتا جیسے بن مانس لڑ رہے ہیں۔ یہ سب باتیں مجھے میرے باپ نے بتائی تھیں۔"

"کہیں تمہارا باپ خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا بوسولی۔" ٹارزن نے ہنس کر کہا۔ "میری ساری زندگی انہی جنگلوں میں گزری ہے لیکن میں نے آج تک اُس مخلوق کو نہیں دیکھا۔" بوسولی کا مُنہ لٹک گیا مگر اُس نے کچھ کہا نہیں۔ ٹارزن سمجھ گیا کہ وہ ناراض ہو گیا ہے۔ اُس نے کہا۔ "میں تو مذاق کر رہا تھا۔۔۔ تم بُرا مان گئے۔۔۔ مجھے تمہاری اور تمہارے باپ کی باتوں کا پورا یقین ہے۔"

"ہم لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے سردار۔" بوسولی نے کہا اور پھر اپنی داستان سُنانے لگا۔

"اور پھر میرے باپ نے دیکھا کہ وہ لوگ زرد رنگ کی اِسی دھات کے زیور پہنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے ہتھیار بھی اُس سے سجا رکھے تھے۔۔۔ جس بستی میں وہ رہتے تھے اُس کا نام تھا اوپار۔ وہاں کسی پہاڑ کے

اندر ایک بہت بڑا غار ہے۔ زرد رنگ کی یہ دھات اُس غار میں جمع تھی۔
پھر میرے باپ کا باپ اپنی بستی میں لوٹ آیا اور یہاں سے سب جوانوں کو
اپنے ساتھ لے گیا۔ انہوں نے اوپار والوں سے جنگ کی۔ دونوں طرف
کے بہت سے آدمی مارے گئے اور یوں یہ دھات ہمارے ہاتھ آئی۔۔۔
آؤ میں تمہیں دِکھاتا ہوں۔"

بوسولی ٹارزن کو بستی سے کوئی دو میل دُور لے گیا۔ وہاں ایک چھوٹا سا دریا
بہہ رہا تھا جس کے دونوں کناروں پر ایک بہت بڑے درخت کا تنا آر پار
ڈال کر پُل بنایا گیا تھا۔ انہوں نے اس پُل کے ذریعے دریا پار کیا اور پھر
بوسولی نے ایک جگہ رُک کر چند جھاڑیاں ہٹائیں۔ ٹارزن نے دیکھا کہ
زمین کے اندر ایک سُرنگ سی کھُدی ہوئی ہے۔ اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے
بوسولی اُس سُرنگ میں غائب ہو گیا۔ چند لمحے بعد اُس نے دُور سے آتی
ہوئی بوسولی کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "آ جایئے سردار، سُرنگ میں آ
جایئے۔ میں نے مشعل جلالی ہے۔" ٹارزن نے بھی سُرنگ میں چھلانگ لگا

دی۔ اُس کے پیر نرم اور گیلی زمین سے ٹکرائے۔ یہاں خاصا اندھیرا تھا اور سڑی ہوئی گھاس کی بدبُو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سُرنگ میں آگے بڑھنے لگا اور پھر اُس نے بوسولی اور اُس کی مشعل کو دیکھ لیا۔ یہ بہت گہری اور لمبی سُرنگ تھی۔ دیر تک چلنے کے بعد آخر ایک جگہ بوسولی رُکا اور اُس نے مشعل سر سے اُونچی کی۔ ٹارزن نے اپنے آپ کو ایک ایسے کمرے میں پایا جہاں بے شمار انسانی کھوپڑیاں اور پنجر پڑے تھے۔

"یہ ہمارے باپ۔۔۔ اُن کے باپ۔۔۔ اور پھر اُن کے باپوں کی ہڈّیاں ہیں۔۔۔ بوسولی کہہ رہا تھا اور ہم نے زرد دھات کا سارا ذخیرہ انہی کی حفاظت میں رکھا ہے تاکہ اِسے کوئی دُشمن چُرا نہ سکے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ایک غیر شخص جو ہم میں سے نہیں ہے لیکن اب ہمارا سردار ہے، اس خزانے کو دیکھ رہا ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے مشعل ٹارزن کے ہاتھ میں دی اور ڈھانچوں کو ایک

طرف ہٹا دیا۔ ٹارزن کا سانس اُوپر کا اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اِن ڈھانچوں کے پیچھے سونے کے ڈبّوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور جو نہی مشعل کی روشنی میں اس انبار پر پڑی، پورا غار روشنی سے جگ مگ جگ مگ کرنے لگا۔

بوسولی بولا۔ ''سردار! آپ اس میں سے جتنی دھات لینا چاہیں، لے سکتے ہیں۔ یہ سب آپ کی ہے۔''

ٹارزن نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اِس سونے کی قیمت انگلستان یا امریکہ کا بڑے سے بڑا بینک بھی ادا نہ کر سکے گا۔۔۔ لیکن یہ لوگ کتنے معصوم اور سادہ ہیں کہ انہیں اس کی قیمت اور اہمیّت کا کوئی اندازہ نہیں۔ لیکن مجھے اس سونے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ یہی باتیں سوچ کر اُس نے مشعل دوبارہ بوسولی کو پکڑا دی اور کہا۔ ''آؤ دوست، اب یہاں سے چلیں۔ یہ تمہاری چیز ہے، تم ہی اِس کے مالک ہو۔ مُجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

وہ دونوں سُرنگ سے باہر نکلے ہی تھے کہ چند آدمی نیزے ہاتھوں میں تھامے دوڑتے ہوئے آئے۔ اُن کی سانس پھولی ہوئی تھی اور آنکھیں باہر کو اُبلی پڑ رہی تھیں۔ بوسولی اور ٹارزن کو دیکھتے ہی انہوں نے چلّا کر کہا۔

”جلدی چلیے جناب۔ غلاموں کی تجارت کرنے والوں نے بستی پر حملہ کر دیا ہے۔“

# نئی زندگی

جب ولیم اور روکُوف کی کشتی کنارے پر پہنچ کر ریت میں دھنس گئی تو اُن کی جان میں جان آئی۔ اُس وقت تک بارش تھم گئی تھی اور بادل چھَٹ جانے کے بعد سہ پہر کا سورج آسمان پر چمک رہا تھا۔ وہ تینوں ٹھنڈی اور نرم ریت پر دیر تک بے سُدھ پڑے رہے۔ آخر ولیم اُٹھا اور اس نے کشتی کو گھسیٹ کر ایک درخت کے تنے سے باندھ دیا۔ روکُوف بھی اُس وقت تک پوری طرح ہوش میں آچکا تھا۔ اُس نے جین سے کہا۔

”مجھے اب تک یقین نہیں آیا کہ ہم زندہ بچ گئے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ہیں کہاں۔ اور یہاں سے وطن کیسے جائیں گے؟“

جین کا مُرجھایا ہوا چہرہ کسی نامعلوم خوشی سے چمک اُٹھا۔ اُس نے جواب دیا۔

”جس خُدا نے ہمیں مُصیبت سے نکال کر یہاں تک پہنچایا ہے وہی ہمیں وطن بھی پہنچادے گا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو جین۔“ ولیم نے کہا۔ ”میرا دِل گواہی دیتا ہے کہ مُصیبت کا زمانہ گُزر گیا ہے۔ خُدا کرے تمہارے والد بھی صحیح سلامت ہوں۔“

جین اپنے والد اور سہیلی کو یاد کر کے رونے لگی۔

”صبر کرو جین۔“ ولیم نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ وہ بھی ہماری طرح زندہ بچ گئے ہوں گے۔“ چند روز کے اندر

اندر اُن کی کھوئی ہوئی طاقت واپس آ گئی۔ پھر رو کُوف اور وِلیم نے ایک اُونچے سے درخت کے اوپر چھوٹا سا مچان بنا لیا۔ اِس مچان پر وہ رات کے وقت درندوں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ شروع میں جنگلی پھل اور نرم پودے کھا کھا کر وہ پیٹ بھرتے رہے۔ پھر انہوں نے چھوٹے چھوٹے جانوروں اور مچھلیوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔

ایک مہینہ گزر گیا۔ اب وہ جنگل سے کسی قدر مانُوس ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی ضرورت کی کئی چیزیں اور ہتھیار بھی تیّار کر لیے تھے۔ لیکن جنگل میں زیادہ دُور تک جانے کی اُن میں ہمّت نہ تھی۔ اُن کے کپڑے پھٹ کر تار تار ہو چُکے تھے۔ کچھ دِن تو رو کُوف شریف بنا رہا مگر پھر اُس نے ولیم اور جین پر حکم چلانا شروع کر دیا۔ جین تو کڑوی کسیلی باتیں سُنتی رہتی لیکن وِلیم غصّے میں آ جاتا اور رو کُوف سے اُس کی تُو تُو مَیں مَیں ہو جاتی۔ کئی مرتبہ وہ ایک دوسرے سے گتھّم گتھّا بھی ہوئے اور گھونسے بازی تک نوبت پہنچی مگر جین نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اصل میں رو کُوف کچھ اور ہی سوچ

رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ ولیم کہیں چلا جائے یا مر جائے تو وہ جین کے ساتھ شادی کر لے۔ ولیم بھی سمجھ چکا تھا کہ جین کے بارے میں روکُوف کی نیّت اچھی نہیں ہے۔ اِس لیے وہ دِن رات اپنی منگیتر کی حفاظت کرتا اور ایک لمحے کے لیے بھی اُسے آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتا۔ آخر اُن کے درمیان نفرت اور دُشمنی کی خلیج بڑھتی گئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو جان سے مار ڈالنے کی فکر میں رہنے لگے۔

ایک روز وِلیم پانی پینے کے لیے چشمے پر گیا ہوا تھا کہ روکُوف جین کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

”جین، تم کیوں اُس کے پیچھے اپنی زندگی برباد کر رہی ہو۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ ہم کہیں اور چلے جائیں گے۔“

”مسٹر تھورین، مُنہ سنبھال کر بات کیجئے۔ آپ کو وِلیم کے بارے میں ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ میری اُن سے منگنی ہو چکی ہے۔“

روکُوف نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "ہاں میں جانتا ہوں کہ وہ تُم سے شادی کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔۔۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس سے شادی کرنا نہیں چاہتیں۔"

جین نے بپھری ہوئی شیرنی کی طرح کہا۔ "مسٹر تھورین میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ ایسی باتیں نہ کریں۔ کیا آپ جنگل میں آنے کے بعد انسانیت اور اخلاق سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور بالکل جنگلی ہو گئے۔۔۔ کاش آپ کچھ سوچتے اور سمجھتے۔۔۔ میں ایک جنگلی آدمی کو جانتی ہوں۔۔۔۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔۔۔ لیکن اُس میں جنگلیوں کی سی کوئی خرابی نہ تھی۔۔۔۔ وہ ایک بہترین انسان تھا اور اگر وہ زندہ ہوتا تو آپ کو ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔"

"کون تھا وہ جنگلی؟" روکُوف نے حیرت سے پوچھا۔

"ٹارزن۔" جین نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

یہ نام سُن کر روکُوف پر سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اور

کھُلے ہوئے منہ سے جین کو دیکھتا رہا۔ پھر یکا یک چِلاّ اُٹھا۔ ''تم اس کمبخت کو کیسے جانتی ہو؟''

''شریف لوگ مرے ہوئے کو بُرا نہیں کہا کرتے۔'' جین نے کہا اور وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔

جین سمجھ رہی تھی کہ ٹارزن اب اِس دنیا میں موجود نہیں۔ اور یہی سوچ سوچ کر بار بار اُس کا جی بھر آتا تھا۔ اگر اُس وقت اُسے کوئی بتاتا کہ ٹارزن نہ صرف زندہ ہے بلکہ یہاں سے صرف پانچ میل دُور شمال کی جانب اُس کا کیبن بھی موجود ہے تو وہ مارے خوشی کے پاگل ہو جاتی۔ اور پھر شمال ہی کی جانب کوئی پانچ میل دُور وہ اٹھارہ آدمی بھی موجود تھے جو جہاز کی تباہی کے وقت تین کشتیوں میں سوار ہو گئے تھے۔ اور جن کی کشتیاں جین اور ولیم کی کشتی سے الگ ہو کر غائب ہو گئی تھیں۔ اُن لوگوں میں جین کا والد اور اُس کی سہیلی مِس سٹرانگ بھی تھے۔ اُن کو ساحل پر پہنچنے میں تین دِن سے زیادہ عرصہ نہیں لگا اور نہ انہیں ویسی مصیبت اُٹھانی پڑی جیسی ولیم،

جین اور روکُوف نے اُٹھائی۔ تیز ہوا نے ان تینوں کشتیوں کو آسانی سے افریقہ کے ساحل تک پہنچا دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ چوتھی کشتی سمندر میں ڈوب گئی۔ مس سٹرانگ اور جین کے والد کی حالت بے حد خراب تھی۔ ان بے چاروں کو ہر وقت آنسو بہانے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ کاش انہیں کوئی بتاتا کہ جن لوگوں کو وہ مُردہ سمجھ کر رو پیٹ رہے ہیں وہ صرف پانچ میل کے فاصلے ہی پر زندہ سلامت موجود ہیں۔

جین کی حبشن خادمہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ وُہ بات بات پر جین کو یاد کر کے روتی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ چوتھی کشتی اگر ساحل پر پہنچ بھی گئی ہے تو جنگلی درندوں نے جین کو ہڑپ کر لیا ہو گا۔

دو مہینے گزر گئے۔ اس دوران میں روکُوف تو بالکل وحشی درندہ بن گیا تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ ولیم کو مار ڈالنے کی کوشش کی مگر وِلیم ہر مرتبہ اُس کے پھندے سے بچ نکلتا رہا۔ وہ بھی جنگل کی کھُلی ہوا اور جانوروں کا کچّا پکّا گوشت کھانے سے خاصا ہٹّا کٹّا ہو گیا تھا اور لڑنے بھڑنے میں روکُوف سے

کسی طرح کم نہ تھا۔

ایک دِن ایسا ہوا کہ رو کُوف کو جنگلی بخار نے آن دبایا۔ اُس کا بدن بخار سے پھُنکنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ یہ موقع ایسا تھا کہ وِلیم اُسے چیونٹی کی طرح ہلاک کر سکتا تھا مگر اُس نے ایک بے بس آدمی کو مارنا انسانیت کے خلاف سمجھا۔ وہاں کوئی ڈاکٹر تو تھا نہیں جو رو کُوف کا علاج کرتا۔ جین اور ولیم سے جو کُچھ ہو سکا کرتے رہے لیکن وہ اِتنا کمزور ہو گیا تھا کہ حلق سے آواز بھی مشکل ہی سے نکلتی تھی۔ وِلیم اُس کے کھانے پینے کی خبر رکھتا تھا۔ وہ منہ اندھیرے شکار کی تلاش میں نکل جاتا اور دوپہر تک کسی نہ کسی جانور کو مار کر اور تھوڑے سے جنگلی پھل لے کر لوٹ آتا۔

ایک دِن وِلیم شکار مار کر اپنی جھونپڑی کی جانب واپس آ رہا تھا کہ ایک شیر نے اُسے دیکھ لیا۔ شیر تین دِن سے بھوکا تھا۔ اب اچانک ایک آدمی کو اپنے سامنے پا کر وہ خوش ہو گیا لیکن اس نے فوراً ہی حملہ نہیں کیا بلکہ دبے پاؤں احتیاط سے وِلیم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ شکار پر بالکل بے

خبری میں حملہ کیا جائے۔ ایک دو بار وِلیم نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کے پیچھے آرہا ہے مگر جونہی وہ مُڑ کر دیکھتا، چالاک درندہ جھَٹ کسی جھاڑی کے اندر دُبک جاتا۔

جین نے دُور سے ولیم کو دیکھ لیا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں نیزہ تھا اور بائیں میں دو چھوٹے چھوٹے خرگوش لٹکے ہوئے تھے۔ جین درخت سے اُتری اور ولیم کی طرف بڑھی مگر اچانک اُسے محسوس ہوا جیسے زمین نے اُس کے پیر پکڑ لیے ہیں۔ اُس کی آنکھیں دہشت سے باہر کو نکل آئیں۔ جسم تھَر تھَر کانپا اور پھر پتھّر کی مانند بے جان ہو گیا۔ اُس نے ولیم کے پیچھے ایک بہت بڑے شیر کو چلتے ہوئے دیکھ لیا۔

شیر وِلیم کے پیچھے کوئی بیس فُٹ کے فاصلے پر جھاڑی میں دُبکا ہوا تھا۔ جین کو ایک جگہ خاموش کھڑے دیکھ کر وِلیم بھی رُک گیا۔ وہ حیران تھا کہ جین نے دوڑ کر اُس کا استقبال نہیں کیا۔ کیا جین اُس سے ناراض تو نہیں ہو گئی۔ پھر اُس نے سوچا، ممکن ہے اُس بدمعاش تھورین نے کوئی ایسی بات کہہ

دی ہو جو اُس کو ناگوار گزری ہو۔ اگر واقعی ایسا ہے تو آج اس کا سر پھاڑے بغیر نہ رہوں گا۔ یہ سوچ کر وِلیم چند قدم اور آگے بڑھا۔۔ اُس کے پیچھے چھپا ہوا بھُوکا شیر بھی چند قدم آگے بڑھ گیا۔ اب اُس میں صبر کی تاب نہ رہی تھی۔ وہ وِلیم پر چھلانگ لگانے کے لیے پوری طرح تیّار تھا۔ اُس کی لمبی دُم آہستہ آہستہ دائیں بائیں گردش کر رہی تھی اور جبڑا بھیانک انداز میں کھُل گیا تھا۔ لمبے لمبے سفید اور زرد دانت دیکھ کر جین کے حلق سے ڈراؤنی چیخ نکل گئی۔ اُسی لمحے شیر ہولناک آواز میں غرّایا۔ ولیم نے پلٹ کر دیکھا تو اُس کے ہاتھ سے نیزہ گر گیا۔ شیر اُس سے کوئی دس قدم کے فاصلے پر جھاڑی میں چھُپا ہوا غرّا رہا تھا۔ اُس کی صرف گردن باہر نکلی ہوئی تھی اور باقی جسم جھاڑی میں چھُپا ہوا تھا۔

ولیم نے بھاگنا چاہا، مگر اُس کے پیر جیسے مَن مَن بھر کے ہو گئے تھے۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ دہشت سے اُس کا خون رگوں میں جمنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ موت نے اُسے آن دبوچا ہے اور

اب کوئی معجزہ ہی اُسے اس وحشی درندے کے منہ سے بچا سکتا ہے۔

”ولیم، بھاگو۔۔۔ جان بچاؤ۔۔۔“ جین پوری قوّت سے چلائی۔ لیکن ولیم کو اُس کی آواز دُور۔۔۔ بہت دُور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ اُسے تو اپنے سامنے اب موت ناچتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

روکُوف نے پناہ گاہ میں لیٹے لیٹے اچانک شیر کے گرجنے اور پھر جین کے چلّانے کی آواز سُنی تو بڑی مشکل سے گھسٹتا گھسٹتا دروازے کے قریب آیا اور باہر جھانکنے لگا۔ وہ ولیم کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر تو خوش ہوا مگر پھر اُسے جین کا خیال آیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وِلیم کے ساتھ ساتھ شیر جین کو بھی ہلاک کر دے۔ یہ سوچتے ہی اُس نے اپنی تمام طاقت جمع کر کے جین کو آواز دی۔ جین نے پلٹ کر درخت کی جانب دیکھا اور اُسی لمحے شیر کی نگاہ بھی درخت کی جانب اُٹھ گئی۔ وہ ولیم پر حملہ کرتے کرتے رُک گیا اور غرّاتا ہوا دوبارہ جھاڑیوں میں جا چھُپا۔

”وِلیم، خُدا کے لیے اب تو بھاگو۔۔۔“ جین پھر چیخی، لیکن وِلیم کو تو جیسے

کچھ احساس ہی نہ تھا۔ یکایک وہ زمین پر بیٹھ گیا اور دونوں بازوؤں میں گردن چھپالی۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر جین حیران رہ گئی۔ کیا ولیم جان دینے پر تُل گیا ہے؟ لیکن یہ تو بُزدلی کی موت ہو گی۔ ولیم اگر مرنا ہی چاہتا ہے تو شیر سے دو دو ہاتھ کر کے جان دے۔

اور پھر جین کو ٹارزن کی یاد آئی۔۔۔ ٹارزن اس موقعے پر ہوتا تو کیا یوں وِلیم کی طرح بے بسی اور بُزدلی سے اپنے آپ کو شیر کا لُقمہ بن جانے دیتا؟ کبھی نہیں۔ وہ یقیناً مرنے سے پہلے شیر کو بھی مار ڈالتا۔

وِلیم کو یوں زمین پر بیٹھے دیکھ کر جین بھی بیٹھ گئی۔ اب وہ جان گئی تھی کہ شیر کے جبڑوں سے وِلیم کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ وِلیم کا آخری وقت آن پہنچا۔۔۔ اُس کے لیے دُعا کرنی چاہیے۔ یہ سوچ کر اُس نے گردن جھُکا کر نہایت عاجزی سے دُعا مانگنی شروع کر دی۔ درخت کی شاخوں میں سے جھانکتا ہوا روکُوف یہ منظر دیکھ کر حیرت اور غصّے سے پاگل ہو گیا اور نہ جانے کیا کیا اوّل فول بکنے لگا۔ مگر جین نے اُس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ آخر

چند لمحے بعد روکُوف پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

شیر جھاڑیوں میں غرّاتا اور گرجتا رہا۔ ولیم اُسی طرح زمین پر بازوؤں میں گردن دیے بیٹھا رہا اور جین کُچھ فاصلے پر گردن جھکائے خُدا سے دُعا مانگتی رہی۔۔۔ چند سیکنڈ گُزرے۔۔۔ پھر کئی منٹ گزر گئے۔۔۔ اب جین کے کانوں میں شیر کے غُرّانے کی آواز نہیں آرہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ شیر وِلیم کو اُٹھا کر دُور لے جا چکا اور اب اُس کی ہڈّیاں چبا رہا ہو گا۔۔۔ اُس نے خوف سے آنکھیں کھولنے کی جرأت بھی نہیں کی۔۔۔ آدھا گھنٹا گُزر گیا۔۔۔ مگر جین اُسی طرح بیٹھی دُعا کرتی رہی۔۔۔ اچانک گہری خاموشی نے اُسے جیسے بیدار کر دیا۔ اُس نے گردن اُٹھائی اور آنکھیں کھول دیں۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ولیم اُسی طرح زمین پر بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"ولیم۔۔۔ ولیم۔۔۔" جین نے اُسے آہستہ سے پکارا۔

ولیم نے گردن اُٹھائی۔ جین نے اُنگلی سے اشارہ کیا کہ اپنے پیچھے دیکھو۔

ولیم نے آنکھیں گھُما کر دیکھا اور پھر حیرت سے بے اختیار چیخ اُٹھا۔

شیر اُس کے بالکل پیچھے مرا پڑا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ اِس کی گردن میں ایک لمبا سا نیزہ گڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ شیر نے جونہی ولیم پر حملہ کرنے کے لیے چھلانگ لگائی کسی شخص نے یہ نیزہ اُس کی طرف پھینکا۔ اُس کا نشانہ صحیح بیٹھا اور شیر اُسی لمحے گِر کر مر گیا۔ اُس کے حلق سے آواز تک نہ نکلی۔

جین دوڑتی ہوئی ولیم کے پاس گئی اور اُسے اپنے ساتھ مچان پر لے گئی۔ انہوں نے بہت دیر تک سوچ بچار کی لیکن کوئی اندازہ نہ ہوا کہ شیر کو مارنے والا کون تھا اور وہ شیر کو مار کر چُپ چاپ کیوں چلا گیا؟ اِن کے سامنے کیوں نہیں آیا۔

# زبردست حملہ

بوسولی قبیلے کے گاؤں پر غلاموں کی تجارت کرنے والوں کا یہ حملہ اتنا اچانک اور زبردست تھا کہ اِن بے چاروں کو سنبھلنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ انہوں نے شام ہونے سے پہلے پہلے پچاس مردوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔ اور اِس سے دُگنے لوگوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ باقی لوگ گھنے جنگل کے اندر بھاگ گئے۔ ٹارزن بھی اُن کے ساتھ تھا۔

حملہ آوروں نے جس سنگ دِلی سے بے گناہ لوگوں کا قتلِ عام کیا تھا اُسے

دیکھ کر ٹارزن کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی تھی۔ وہ بھوکے چیتے کی مانند اُن پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بے چین تھا۔ مگر مُصیبت یہ تھی کہ یہاں نیزے اور تیر کمانیں تھیں اور وہاں بندوقیں اور رائفلیں۔

ٹارزن کو بتایا گیا کہ یہ حملہ آور اِس لیے آتے ہیں کہ ایک تو ہاتھی دانت کے تمام ذخیرے لُوٹ کر لے جائیں اور دوسرے یہاں کے مردوں اور عورتوں کو غلام بنالیں اور بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں کسی اور مُلک میں لے جا کر فروخت کر ڈالیں۔ برسوں سے یہ لوگ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ اور انہوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ بے شمار بستیاں اُجاڑ ڈالی ہیں۔

رات کی تاریکی میں بوسولی قبیلے کے بچے کھچے لوگوں نے چربی کی مشعلیں روشن کیں اور دُشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کی تدبیروں پر غور کرنے لگے۔ قبیلے کے نوجوانوں کی رائے تھی کہ حملہ آوروں پر بے خبری میں جا پڑیں اور انہیں بدحواس کر کے مار ڈالیں۔ مگر ٹارزن اُن کی اِس تجویز کو ماننے

سے انکار کرتا تھا۔ آخر بہت دیر بحث کرنے کے بعد اُس نے اپنی بُلند اور گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے تمام تجویزیں سُنیں اور اُن پر غور کیا ہے۔ مگر اِن میں سے کوئی بھی تجویز میرے نزدیک اچھّی نہیں ہے۔ اگر تُم لوگ اُن پر عمل کرنے کی کوشش کروگے تو دُشمن تمھیں چُن چُن کر مار ڈالے گا۔ اِس لیے میری بات غور سے سُنو اور اسے یاد رکھو۔۔۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم نے میرے کہنے پر عمل کیا تو ہم بہت جلد نہ صرف دُشمن کو چوہے کی طرح گھیر لیں گے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اِدھر کا راستہ ہی بھول جائے گا۔"

"ہم اپنے سردار کی ہر بات ماننے کے لیے تیّار ہیں۔" سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹارزن بولا۔ "تم لوگوں نے مُجھے اپنا سردار تسلیم کیا ہے۔ جب تک تُم میرا حکم مانو گے، میں دِل و جان سے تمھارے ساتھ ہوں۔ لیکن نافرمانی کی صورت میں مَیں تمھیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور تُم پھر کبھی

میری شکل نہ دیکھو گے۔ تھوڑی دیر بعد آدھی رات ہونے والی ہے۔ تُم لوگ چُپکے چُپکے اپنی بستی کی طرف چلو گے۔۔۔ ہر شخص کے پاس نیزہ اور تیر کمان ہو گی۔۔۔ بستی کے قریب پہنچ کر تُم میں سے ہر شخص میرے اشارے پر کسی نہ کسی درخت کے پیچھے چھُپ جائے گا۔ اور اُس وقت تک اپنے ہتھیار نہ چلائے گا جب تک میں اُلّو کی بولی نہ بولوں۔ کیا تُم میری بات یاد رکھو گے؟"

"ہم نے سردار کی بات سمجھ لی اور یاد کر لی۔" سب نے کہا۔ آدھی رات کے وقت کوئی ڈیڑھ سو جوانوں کا ایک گروہ نیزے اور تیر کمانیں سنبھالے ہوئے ٹارزن کے پیچھے پیچھے بستی کی جانب روانہ ہوا۔ وہ سب پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اور گھُپ اندھیرے میں بھی یوں چلے جا رہے تھے جیسے دِن کی روشنی اُن کے گرد پھیلی ہوئی ہو، نہ کوئی شخص گِرا اور نہ کسی نے ٹھوکر کھائی۔

ٹارزن سب سے آگے درختوں کی شاخوں اور ٹہنیوں پر بندروں کی طرح

اُچھلتا اور چھلانگیں لگاتا ہوا جا رہا تھا۔ قبیلے کے وہ نوجوان جو اپنے آپ کو نہایت پھُرتیلا، طاقتور اور بہادر سمجھتے تھے وہ بھی ٹارزن کی غیر معمولی رفتار اور پھُرتی دیکھ کر حیران تھے اور سوچ رہے تھے کہ انہوں نے سفید چمڑی والے کو اپنا سردار چُن لینے میں کوئی غَلَطی نہیں کی۔

بستی کے اندر ہیبت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں چربی سے جلنے والی مشعلوں کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ٹارزن نے اپنے ساتھ آنے والے دس آدمیوں کو ایک دائرے کی شکل میں پھیل کر مختلف درختوں کے پیچھے چھپ جانے کا اشارہ کیا اور کہا کہ جب تک اُنہیں اُلّو کی آواز سُنائی نہ دے، تیر کمان یا نیزے ہرگز نہ پھینکیں۔

یہاں سے ان لوگوں کو حملہ آوروں کے پہرے دار صاف نظر آ رہے تھے۔ اُن کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ تھی اور اُن سب کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ٹارزن ہاتھ پیروں کے بل لمبی گھاس میں چلتا ہوا جب کچھ اور نزدیک پہنچا تو اُسے پتا چل گیا کہ حملہ آوروں میں سے زیادہ تر لوگ

مزے سے سو رہے ہیں اور یہ پانچ پہرے دار ہی جاگ رہے ہیں۔ بستی کے آخری سِرے پر بنی ہوئی سردار کی بڑی جھونپڑی میں سے عورتوں کے رونے کی مدھم آوازیں بھی ٹارزن کے کانوں تک پہنچیں۔ اُس نے دل میں کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں نے اپنے قیدیوں کو اس جھونپڑی میں بند کر رکھا ہے۔ وہاں بھی ایک پہرے دار کھڑا اُونگھ رہا تھا۔

ٹارزن دبے پاؤں گھُوم کر اُسی جھونپڑی کے نزدیک جا پہنچا اور قریب ہی ایک درخت پر چڑھ گیا۔ ایک لمحے کے لیے پہرے دار نے مُڑ کر دیکھا۔ پھر غافل ہو کر اُونگھنے لگا۔ اب ٹارزن شاخوں اور ٹہنیوں پر سے ہوتا ہوا پہرے دار کے عین سر پر آ گیا اور اِس سے پہلے کہ پہرے دار حرکت کر سکے وہ درخت پر سے کُودا اور اُس کی فولادی انگلیاں پہرے دار کے گلے پر گڑ گئیں۔ اُس کے حلق سے آواز تک نہ نکلی۔

اب ٹارزن نے اس کو گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا اور اُس کی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی خود سنبھال لی۔ پھر اُس نے چُپکے سے جھونپڑی کا

دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔ چند لمحے بعد ایک ایک کر کے تمام قیدی مرد اور عورتیں باہر نکلے اور جنگل کی تاریکی میں گُم ہو گئے۔

اس کام سے فارغ ہو کر ٹارزن نے اپنا نیزہ سنبھالا اور درخت پر چڑھ گیا۔ ایک دو منٹ تک حالات کا جائزہ لینے کے بعد اُس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اُلّو کی بولی بولی۔ "اُو۔۔۔ ہُو۔۔۔ ہُو۔۔۔ اُو۔۔۔"

درختوں کے پیچھے چھُپے ہوئے نوجوانوں نے اُس کی آواز سُنی تو انہوں نے تیر کمانوں میں جوڑے اور کمر کے بل جھُک کر بھُوتوں کی مانند آگے بڑھے۔ اب چاروں پہرے دار اُن کے تیروں کی زد میں تھے۔ یکایک دس تیر سنسناتے ہوئے کمانوں سے چھُوٹے اور چاروں پہرے داروں کے جسموں میں گڑ گئے۔ کسی کے منہ سے ذرا سی بھی آواز نہ نکلی۔ آناً فاناً اُن کی رائفلیں قبضے میں لے لی گئیں اور لاشیں گھاس اور جھاڑیوں میں چھُپا دی گئیں۔ اب ٹارزن کے ساتھی جوشِ انتقام سے دیوانے ہو گئے تھے اور چاہتے تھے کہ ایک دم سوئے ہوئے حملہ آوروں کو گھیر لیں لیکن ٹارزن

نے انہیں روکا اور سمجھایا کہ ایسی حرکت نہ کریں کیونکہ دُشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اُن سب کے پاس بندُوقیں ہیں۔ ممکن ہے کہ ہم پہلے ہلّے میں دُشمن کے پانچ دس آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیں، لیکن جونہی وہ ہوشیار ہوئے اور انہوں نے بندُوقوں سے فائرنگ شروع کی تو پھر ہمارے لیے چھُپنے کی جگہ نہ ہو گی۔ ہم سب بُری طرح مارے جائیں گے۔ اِس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے لوٹ چلیں۔ تھوڑی دیر بعد صُبح ہونے والی ہے۔ سویا ہوا دُشمن جاگے گا اور جونہی اُسے پتا چلے گا کہ رات کو اُس کے پانچ آدمی مار ڈالے گئے ہیں اور تمام قیدی فرار ہو چکے ہیں تو اُس پر ہماری ہیبت بیٹھ جائے گی۔ وہ جلد سے جلد ہاتھی دانت اپنے نوکروں کے سروں پر رکھوا کر ساحل کی جانب جانے کے لیے بے چین ہو گا مگر ہم ساحل تک اُس کا پیچھا کریں گے اور اپنے نیزوں اور تیر کمانوں سے اُسے مارتے چلے جائیں گے۔ لیکن اس کام میں بڑی احتیاط اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ آؤ، اب یہاں سے چلیں اور صُبح ہونے سے پہلے پہلے راستے کے اِرد گرد درختوں اور جھاڑیوں میں چھُپ جائیں۔

ٹارزن کی یہ تدبیر درست تھی۔ دُشمن کو صُبح ہونے سے کچھ پہلے ہی پتا چل گیا تھا کہ بوسولی قبیلے کے لوگ رات کو اُن کے پانچ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار گئے ہیں اور انہوں نے تمام قیدیوں کو بھی آزاد کرا لیا ہے۔ یہ دیکھ کر حملہ آوروں کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اپنے نوکروں کو پیٹنا شروع کر دیا اور مار مار کر انہیں لہولہان کر دیا۔ حملہ آوروں کے سردار نے حکم دیا کہ ہاتھی دانت کا تمام ذخیرہ نوکروں کی پیٹھ سے باندھ دیا جائے اور یہ قافلہ پہرے داروں کی حفاظت میں ساحل کی جانب روانہ ہو، جہاں اُن کے جہاز کھڑے تھے۔ لیکن موت کا فرشتہ اُن کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ ٹارزن اور اُس کے ساتھی میلوں تک راستے کے دونوں جانب گھنے درختوں، جھاڑیوں اور اُونچی گھاس میں دُبکے ہوئے دُشمن کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

ٹارزن نے سو فُٹ اُونچے ایک درخت کی چوٹی سے دیکھا۔ حملہ آوروں کے نوکروں کا قافلہ ایک لمبی قطار کی صورت میں اُس ٹیڑھی میڑھی بل کھاتی

ہوئی پگ ڈنڈی پر چلا آ رہا تھا جو سیدھی سمندر کے ساحل تک جاتی تھی۔ یہاں سے ساحل تک پہنچنے میں پورے دو دِن اور دو راتیں درکار تھیں۔

قافلہ جب اس درخت کے قریب آیا تو ٹارزن کی کمان سے تیر نکلا اور سب سے آگے جانے والا ایک سپاہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ اُس کے ساتھ ہی اِرد گرد کے درختوں اور جھاڑیوں سے تیروں اور نیزوں کی بارش ہونے لگی۔ حملہ آوروں کے بہت سے آدمی مارے گئے اور قافلے میں ابتری سی پھیل گئی۔ سفید فام آقاؤں نے جواب میں اپنی رائفلوں اور بندُوقوں سے اندھا دُھند فائرنگ کی، لیکن اُن کی گولیاں درختوں کے تنوں اور شاخوں میں لگتی رہیں۔ بوسولی قبیلے کے لوگ حملہ کرنے کے فوراً بعد ہی اپنے سردار ٹارزن کے ساتھ جنگل میں دُور دُور تک پھیل گئے تھے۔ انہوں نے سارے دِن میں تین مرتبہ قافلے پر حملہ کیا اور ہر حملے میں دُشمن کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔

اگلے روز بھی ایسا ہی ہوا۔ اب حملہ آوروں کے غلاموں میں اپنے آقاؤں

کے خلاف نفرت اور بغاوت کے آثار دکھائی دینے لگے اور ٹارزن اِسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ شام کے وقت جب کہ قافلہ ایک جگہ ستانے کے لیے رُک گیا تھا۔ ٹارزن ایک اُونچے درخت پر چڑھ گیا اور پھر اس کی گرج دار آواز جنگل میں گونجنے لگی۔ وہ حملہ آوروں کے غلاموں سے کہہ رہا تھا۔
"اے سفید چمڑی والوں کے کالے غلامو، کیا تُم اب بھی اپنے آقاؤں سے پیچھا چھُڑانے کے لیے تیّار نہیں ہو؟ انہوں نے تمھیں اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تمہارے ذریعے دوسروں کو بھی غلام بناتے اور انہیں لُوٹتے ہیں۔ یہ ہاتھی دانت جو تم نے بوسولی قبیلے سے چھینے ہیں، تُم کبھی ساحل تک نہیں لے جا سکو گے بلکہ اِسی جنگل میں موت کے گھاٹ اُترو گے۔۔۔ ہاں، ایک شرط پر تمہاری جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ شرط یہ ہے کہ تم ہاتھی دانت یہیں چھوڑ دو اور اپنے سفید آقاؤں پر ٹوٹ پڑو۔ گھبراؤ نہیں۔۔۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

یہ آواز سُن کر قافلے میں خوف کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ سفید آقاؤں نے،

جِن کی تعداد صرف تیس رہ گئی تھی، گھبرا کر اپنے ڈیڑھ سو کالے غلاموں کی طرف دیکھا اور بندُوقیں اُن کی طرف تان لیں۔ لیکن اب کالے غلاموں کی آنکھیں کھُل چکی تھیں، وہ اپنے ساتھیوں کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ سب کے سب چیخیں مارتے ہوئے اُٹھے اور اپنے آقاؤں پر پِل پڑے۔ چند لمحے کی جنگ کے بعد لڑائی بند ہو گئی کیونکہ سفید آقاؤں میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہیں جا سکا تھا۔ اب کالے غلاموں میں سے ایک آگے بڑھا اور اُس نے پُکار کر کہا۔

"ہم نے اپنے آقاؤں کو مار ڈالا ہے۔۔۔ ہم نے ہاتھی دانت بھی یہیں رکھ دیے ہیں۔ اب وہ شخص ہمارے سامنے آ جائے جس نے تھوڑی دیر پہلے ہم سے باتیں کی تھیں۔"

اچانک ایک درخت سے کوئی چیز دھم سے گِری اور کالے غلاموں کے سامنے آ گئی۔ یہ سفید چمڑی کا ایک لمبا تڑنگا اور خوبصورت آدمی تھا۔ کالے غلام اُسے دیکھتے ہی دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور گِڑگِڑانے لگے۔ اُن کا خیال تھا

کہ یہ شخص کوئی دیوتا ہے۔ ٹارزن کے اشارے پر اُس کے آدمیوں نے آناً فاناً اُن سب کو گھیر لیا۔ سب سے پہلے انہوں نے بندوقوں اور رائفلوں پر قبضہ کیا اور پھر ہاتھی دانت کا ذخیرہ بھی سنبھال لیا۔ تھوڑی دیر بعد کالے غلاموں کا یہ گروہ ٹارزن کے آدمیوں کے پہرے میں ساحل کی جانب روانہ ہو گیا۔ لیکن ٹارزن اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ یہاں سے سیدھا اپنے کیبن کی جانب چلا جا رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ ایک دو روز اپنے کیبن میں آرام کرنے کے بعد بوسولی قبیلے کی طرف لوٹ جائے گا۔

# ملاقات

ٹارزن بے حد تھکا ہوا تھا۔ اپنے پرانے کیبن میں پہنچ کر بستر پر لیٹتے ہی بے خبر سو گیا۔ یہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں اُسے سکون اور آرام ملتا تھا۔ ایک رات اور ایک دِن لگاتار سوتا رہا۔ تیسرے روز صُبح سویرے اُس کی آنکھ کھُلی تو اس نے اپنے آپ کو ہشاش بشاش پایا لیکن بھُوک کے مارے پیٹ میں چُوہے قلابازیاں کھا رہے تھے۔ اُس نے انگڑائی لی اور اپنے ہتھیار سنبھال کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ بڑا سہانا سماں تھا۔ درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے اور مشرق کی جانب آسمان، آہستہ آہستہ چمک دار ہوتا جا

رہا تھا۔

ٹارزن کو شکار تلاش کرنے میں کوئی دِقّت پیش نہ ہوئی، اُس نے آسانی سے ایک ہرن کو شکار کر لیا۔ پھر آگ سُلگا کر اُس کا گوشت بھُونا اور سالم ران ہڑپ کر کے اپنے کیبن کی جانب لوٹ آیا۔ اُس کا خیال تھا کہ دو تین گھنٹے آرام کرنے کے بعد سہ پہر کے وقت بستی کی جانب روانہ ہو جائے گا۔

وہ اس وقت اپنے کیبن سے کوئی پانچ چھ میل دُور تھا اور مزے مزے سے چلا جا رہا تھا کہ یکایک شیر کی ہولناک دھاڑ سُن کر چوکنّا ہو گیا۔ شیر بائیں جانب کچھ فاصلے پر موجود تھا اور اُس کی آواز سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بے حد بھُوکا ہے۔

پہلے تو ٹارزن نے سوچا کہ شیر کو چھیڑنے کے بجائے سیدھا اپنے راستے پر چلا جائے مگر چند لمحے بعد جب شیر کی گرج اور تیز ہو گئی تو اس سے رہا نہ گیا۔ وہ تیزی سے آواز کے رُخ چلنے لگا۔ کوئی ایک میل تک چلنے بلکہ دوڑنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو جنگل کے ایک کھُلے حصّے میں پایا جس

کے ارد گرد جھاڑیاں ہی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور شیر انہیں جھاڑیوں میں چھُپا ہوا غرّا رہا تھا۔ ٹارزن نے ایک جھاڑی میں سے راستہ بنا کر شیر کو دیکھنے کے لیے نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں تو ایک عجیب لیکن خطرناک منظر دِکھائی دیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ ایک سفید فام شخص، جس کی ڈاڑھی اور مونچھیں بے تحاشا بڑھی ہوئی ہیں اور جسم پر بڑے بڑے پتّوں کی ایک لنگوٹی سی بندھی ہوئی ہے، زمین پر سر پکڑے بیٹھا ہے۔ اُس سے کوئی سو فٹ دُور ایک سفید فام لڑکی زمین پر بیٹھی گردن جھکائے شاید دُعا مانگ رہی ہے۔ آدمی کے بالکل پیچھے مُشکل سے دس قد کے فاصلے پر جھاڑیوں میں شیر دُبکا ہوا ہے اور کوئی دَم میں اُس بدنصیب پر حملہ کرنے والا ہے۔

ابھی ٹارزن اس معاملے پر غور کر ہی رہا تھا کہ شیر جھاڑیوں سے نکلا اور اُس نے بیٹھے ہوئے آدمی پر چھلانگ لگائی مگر دوسرے ہی لمحے ٹارزن کا دایاں ہاتھ خود بخود حرکت میں آیا اور اُس سے پہلے کہ شیر کا پنجہ آدمی کو لہولہان

کرے ٹارزن کا نیزہ شیر کا دایاں کندھا توڑتا ہوا اُس کے جسم کے پار ہو گیا۔ شیر نے ایک قلابازی کھائی اور اُس آدمی کے پیچھے ہی گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ لیکن وہ آدمی اِس واقعے سے بالکل بے خبر اپنی جگہ پتھّر بنا بیٹھا رہا۔

ٹارزن جھاڑی سے باہر نکلنا ہی چاہتا تھا کہ لڑکی نے اپنا سر اُٹھایا اور ٹارزن کا سانس رُک گیا۔ خُدا کی پناہ۔۔۔ یہ تو جین ہے۔۔۔ لیکن یہ اِس جنگل میں کیسے پہنچی؟ اور وہ شخص کون ہے جس پر شیر حملہ کرنے والا تھا؟ اِتنے میں جین نے آہستہ سے آواز دی اور ولیم نے گردن اُٹھائی تو ٹارزن ایک بار پھر دنگ رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ لوگ اِن حالوں میں افریقہ کی سرزمین پر کیونکر پہنچ گئے۔ ممکن ہے اِن دونوں کی شادی ہو چکی ہو۔ ضرور یہی بات ہے۔ اور پھر ٹارزن نے دیکھا کہ جین خوشی سے دوڑتی ہوئی ولیم کے پاس گئی ہے۔۔۔ یہ منظر اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ پہلے اُس کا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر اُس سے ملاقات کرے گا مگر اب اُس نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور بوجھل قدموں سے اپنے کیبن کی

طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ وہ چند روز اپنے کیبن میں رہے گا اور چُپکے چُپکے جین اور ولیم کی نگرانی کرتا رہے گا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ دونوں یہاں کیسے پہنچے اور اُن پر کیا بیتی۔

جین اور ولیم اپنے اُس غیبی دوست کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھے جس نے شیر کو ہلاک کر دیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ کون ہے اور سامنے کیوں نہیں آیا؟ جتنا وہ سوچتے اُتنی ہی اُن کی اُلجھن بڑھتی چلی جاتی۔ آخر انہوں نے اس معاملے کو خُدا کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

روکُوف کی حالت آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ولیم اور جین کا احسان مانتا کہ انہوں نے دِن رات اس کی دیکھ بھال کی مگر تندرست ہوتے ہی اُس کی شرارت دوبارہ لوٹ آئی۔ جین سوچا کرتی تھی کہ یہ شخص کس مٹّی کا بنا ہوا ہے۔ کیا اِس میں انسانیت اور شرافت نام کو بھی نہیں۔

روکُوف تندرست ہوا تو ولیم کو جنگلی بخار نے آن دبوچا اور ایک دِن کے

اندر ہی اندر اُسے ادھ موا کر دیا۔ اب ولیم کی بھی وہی حالت تھی جو چند روز پہلے روکُوف کی تھی۔ لیکن روکُوف کو اُس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اُس نے ولیم کی دیکھ بھال کا سارا کام جین پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے لیے شکار مار کر لاتا مگر اُس میں سے ولیم کو ذرا سا حصّہ بھی نہ دیتا۔ اُس کی خواہش تھی کہ یہ شخص ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے تاکہ وہ جین سے شادی کر سکے۔ ایک روز روکُوف نے نہ جانے کیا سوچا کہ جین کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ ”چلو میرے ساتھ۔ آج میں ایک اور جگہ دیکھ کر آیا ہوں، ہم وہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔ یہاں کی ہوا خراب ہو گئی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ مجھے اس کم بخت ولیم کو دفن کرنے کے لیے قبر کھودنی پڑے۔“

جین نے جانے سے انکار کیا تو روکُوف نے ایک تھپّڑ مارا۔ بے چاری جین رونے اور چیخنے لگی۔ لیکن روکُوف پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ وہ اُسے گھسیٹتا رہا۔ جین کے رونے اور چیخنے کی آوازیں ولیم کے کانوں میں بھی پہنچیں لیکن اُس میں حرکت کرنے کی بھی سکت نہ تھی۔

روکُوف، جین کو گھسیٹتا اور مارتا پیٹتا لیے جارہا تھا کہ یکایک ایک درخت پر سے کوئی شخص زمین پر کُودا اور روکُوف کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ روکُوف نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو دہشت کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

"ت۔۔۔۔تت۔۔۔۔تُم۔۔۔۔۔تُم۔۔۔۔"اُس نے ہکلا کر کہا۔

"ہاں، میں۔۔۔"ٹارزن نے جواب دیا۔ جین ٹارزن ٹارزن کہتی ہوئی اُس کی طرف دوڑی۔ وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رو رہی تھی۔

"فکر نہ کرو جین۔ اب یہ موذی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اگر مُجھے اُسی روز پتا چل جاتا کہ یہ بھی تمہارے ساتھ ہے تو اِس کا قصّہ بھی پاک کر دیتا۔" ٹارزن نے کہا۔ "اس بدمعاش نے مجھے اتنا پریشان کیا کہ بیان سے باہر ہے۔ خیر، اب اِسے دُنیا کی کوئی طاقت مرنے سے نہیں بچا سکتی۔"

"نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔"جین نے کہا۔ "ایسا نہ کرو ٹارزن۔ اِسے معاف کر دو۔"

"یہ شخص معاف کر دینے کے قابل نہیں۔" ٹارزن نے کہا اور روکُوف کو پکڑنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ روکُوف کی حالت غیر تھی۔ وہ روتا ہوا ٹارزن کے قدموں پر گِر گیا۔

"خیر، میں تمہیں اپنی حراست میں رکھوں گا۔" ٹارزن نے کہا اور اپنے کندھے سے رسّا اُتار کر روکُوف کے ہاتھ باندھ دیے۔

"اب مجھے پورا قصّہ سُناؤ جین کہ تم یہاں کیسے پہنچیں؟" ٹارزن نے کہا۔

جین کی زبانی سارا واقعہ سُننے کے بعد ٹارزن کو صدمے کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ صدمہ اِس بات کا کہ اِن لوگوں نے اتنی تکلیفیں اُٹھائیں اور خوشی اِس بات کی کہ جین کی شادی ابھی تک ولیم سے نہیں ہوئی تھی اور نہ وہ اُس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ جین کو جب معلوم ہوا کہ اُس روز شیر کو ٹارزن نے ہلاک کیا تھا تو اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ کہنے لگی۔
"بار بار میں سوچتی تھی کہ دُنیا میں صرف ایک ہی شخص ایسا ہے جو یوں شیر کو ہلاک کر سکتا ہے اور وہ شخص ہے ٹارزن۔۔۔ مگر پھر خیال آتا کہ ٹارزن

تو سمندر میں ڈُوب گیا ہے۔ ٹارزن یہاں کہاں۔"

"یہ سب اِس بدمعاش کی کارستانی تھی۔" ٹارزن نے روکُوف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے باقی لوگوں کے بارے میں بے حد افسوس ہے۔ خُدا کرے وہ لوگ بھی تمہاری طرح زندہ سلامت ہوں۔ اور کسی نہ کسی دِن اُن کا پتا چل جائے۔"

جین کی آنکھوں میں اپنے والد اور سہیلی کو یاد کر کے آنسو آ گئے۔ اُس نے کہا۔ "مجھے اُمید نہیں کہ اُن میں سے کوئی زندہ بچا ہو۔"

ولیم بخار کی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ ٹارزن نے اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے تو وہ ہوش میں آیا اور ٹارزن کو دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ پھر اُس کی نظر جین اور روکُوف پر پڑی تو دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کمزور آواز میں کہنے لگا۔ "کیا میں زندہ ہوں یا مر چکا ہوں۔۔۔۔ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔۔۔۔ ٹارزن۔۔۔۔ میرے دوست کیا تم زندہ ہو اور جین۔۔۔۔ اُف۔۔۔۔ خُدا کے لیے مُجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟" جین نے

اُسے دلاسہ دیا اور ساری کہانی سُنائی۔ ولیم کے چہرے پر خون کی سُرخی دوڑنے لگی۔

اُن کا خیال تھا کہ ولیم چند روز تک ٹھیک ہو جائے گا، لیکن اُس کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ اُس کا جسم ہڈّیوں کا ڈھانچا بن گیا تھا اور زبان میں بولنے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی۔ وہ سارا دِن لیٹا مچان کی چھت کو گھورتا رہتا یا کبھی کبھی بڑبڑانے لگتا۔ کئی بار جین اور ٹارزن کو شُبہ ہوا کہ وہ چل بسا ہے لیکن جب وہ اس کے سینے سے کان لگاتے تو اُس کا دل مدّھم رفتار سے دھڑکتا محسوس ہوتا۔

ایک روز ولیم کہنیوں کے سہارے اُٹھا اور کمزور لہجے میں جین کو آواز دی۔ "جین، ذرا میرے قریب آ کر ایک بات سُن لو۔ اب میں زیادہ دیر دنیا میں نہیں رہوں گا۔"

جین رو پڑی اور اُس کے قریب آن کر بیٹھ گئی۔ ولیم کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بے نُور ہوئی جاتی تھیں۔ وِلیم نے

اشارے سے ٹارزن کو بھی اپنے قریب بُلایا اور اُکھڑی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"جین۔۔۔ میری بات غور سے سُنو۔۔۔ میں تُم سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا لیکن۔۔۔۔ خُدا کو ایسا منظور نہ ہوا۔۔۔ مُجھے معاف کر دو۔۔۔۔ میں نے تُم کو بہت تکلیف پہنچائی ہے۔۔۔ میں نے خود غرضی کی تھی اور اِس شریف اور بہادر نوجوان کا حق مارنا چاہا تھا۔۔۔ اب تم دونوں بھی مجھے معاف کر دو۔۔۔۔ ورنہ میری رُوح بے چین رہے گی۔"

جین اور ٹارزن دونوں چُپ تھے لیکن اُن کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گِر رہے تھے۔ ولیم نے چند منٹ رُک کر اپنا سانس ٹھیک کیا پھر کہنے لگا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں مجھے معاف کر دو۔۔۔۔ میری خطائیں بخش دو۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنے سرہانے کے نیچے سے پیلے رنگ کے کاغذ کا ایک پُرزہ سا نکالا اور جین کی طرف بڑھا دیا۔۔۔۔ اُس کے ساتھ ہی اس نے ایک زور دار ہچکی لی، چند لمحے تک اُس کا جسم تھرتھرایا اور پھر اُس کی

گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

جین چیخ مار کر ٹارزن سے لپٹ گئی اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ پھر انہوں نے ولیم کے لیے خُدا سے دُعا مانگی۔ اُس کے بعد جین نے کاغذ کا وہ تہہ کیا ہوا پُرزہ کھولا اور اُس پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر اُس کا چہرہ ایک دم گلاب کی مانند سُرخ ہو گیا۔ اُس نے فوراً کاغذ کا یہ پُرزہ ٹارزن کی جانب بڑھا دیا۔ یہ ڈارنوٹ کا وہی تار تھا جو اُس نے پیرس سے ٹارزن کو بھیجا تھا اور جسے ٹارزن نے گولی بنا کر زمین پر پھینک دیا تھا، تار میں لکھا تھا۔

"اُنگلیوں کے نشانات سے ثابت ہو گیا ہے کہ تم ہی نوّاب جان کلیٹَن کے بیٹے ہو۔"

"میری جانب سے مبارک باد قبول کرو۔"

"آہ۔۔۔۔وِلیم نے یہ بات تمہیں نہیں بتائی۔" جین نے ٹارزن سے کہا۔

"مجھے یہ بات پہلے سے معلوم تھی۔" ٹارزن نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن

میرا خیال تھا کہ تم ولیم سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ اِس لیے میں نے اپنی جائیداد واپس لینے کی کوشش نہیں کی۔"

# رحمت کا فرشتہ

دوسرے دِن ٹارزن کے ساتھی اُسے ڈھونڈتے ہوئے آ گئے۔ ٹارزن اُن کے ساتھ جانے کی تیّاریاں کرنے لگا۔ ولیم کی قبر انہوں نے اُسی جگہ بنا دی اور روزانہ اُس پر پھول ڈالے جاتے تھے۔ روکُوف اُن کے ساتھ تھا۔ اگرچہ ہر وقت اس کے ہاتھ پیر بندھے رہتے تھے۔

راستے میں بوسولی نے ٹارزن سے کہا۔

”سردار، جب ہم آپ کی تلاش میں اِدھر آ رہے تھے تو سمندر کے

کنارے ایک جگہ ہم نے کئی سفید چمڑی والے آدمی دیکھے۔ انہوں نے اپنے رہنے کے لیے لکڑی کے مکان بنا رکھے ہیں اور اُن کے پاس بھی ویسے ہی ہتھیار ہیں جِن کے منہ سے آگ اور دُھواں نکلتا ہے۔"

یہ سُن کر ٹارزن اور جین کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ٹارزن نے بوسولی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔ "ہمیں فوراً اُس جگہ لے چلو، جہاں تم نے اُن سفید چمڑی والوں کو دیکھا ہے۔" بوسولی نے گردن جھکالی اور تیزی سے ایک جانب چل پڑا۔ ٹارزن اور دوسرے لوگ اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔

"جین، میرا خیال ہے کہ جہاز کے باقی لوگ بھی بچ کر یہیں آ گئے ہیں۔۔۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مجھے آج تک اُن کے بارے میں پتا نہیں چل سکا۔"

"ممکن ہے وہ کوئی اور لوگ ہوں۔" جین نے کہا۔

"نہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ وہی ہیں۔ اُن میں تمہارے والد بھی ہوں گے اور کیا نام ہے اُس لڑکی کا۔۔۔ ہاں۔۔۔ مِس سٹرانگ۔۔۔ وہ بھی

ہو گی۔" وہ دِن بھر سفر کرتے رہے اور سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے انہوں نے جنگل میں ایک جگہ دھوئیں کے مرغولے آسمان کی طرف جاتے ہوئے دیکھے۔ ٹارزن نے ایک درخت پر چڑھ کر دیکھا۔ سمندر کے کنارے کے بالکل قریب چند مرد اور عورتیں اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ وہ سب سفید نسل کے تھے لیکن انہیں پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ ٹارزن نے اپنے ساتھیوں کو وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور آپ آگے بڑھا۔ جُوں جُوں وہ قریب پہنچتا جاتا تھا اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ آخر ایک جگہ رُک کر اُس نے پھر اُن لوگوں کا جائزہ لیا اور سب سے پہلے آدمی پر اُس کی نظر پڑی تو وہ بے اختیار چلّا اُٹھا۔ "ڈارنوٹ۔۔۔ ڈارنوٹ۔"

ڈارنوٹ نے ٹارزن کی آواز پہچان کر حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا، مگر آواز دینے والا نظر نہ آیا۔ نظر بھی کیسے آتا وہ تو درخت کی گھنی شاخوں اور پتّوں میں چھپا ہوا تھا۔ اتنے میں ٹیننگٹن بھی اُدھر آ گیا۔ اُس کے پیچھے

پیچھے پروفیسر اور نوجوان لڑکی بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ یہ مِس سٹرانگ تھی۔

ٹارزن نے درخت سے چھلانگ لگا کر ڈارنوٹ کو دبوچ لیا۔

اُن کی اچانک ملاقات بے شمار آنسوؤں اور قہقہوں کا پیغام لے کر آئی۔

جین اپنے باپ کے گلے سے چمٹی سسک رہی تھی اور مِس سٹرانگ اُسے تسلّیاں دینے میں مصروف تھی۔ ڈارنوٹ نے ٹارزن کو بتایا کہ میں اصل میں تمہیں ڈھونڈنے نکلا تھا لیکن اتّفاق سے ٹیننگٹن اور اُس کے ساتھی مل گئے۔ اگر تم آج بھی نہ آتے تو ہم آگے روانہ ہو جاتے۔"

ٹیننگٹن کی رائے تھی کہ روکُوف کو جینے کا کوئی حق نہیں، اسے فوراً دوسری دُنیا کی طرف چلتا کر دینا چاہیے، مگر ڈارنوٹ نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ روکُوف کو پولیس کے حوالے کیا جائے گا تاکہ اِس شخص سے وہ تمام راز واپس لیے جا سکیں جو اِس نے فرانسیسی فوجی افسروں سے حاصل کیے ہیں۔

ڈارنوٹ کے ساتھ پولیس کے چند افسر بھی تھے، روکُوف کو ہتھکڑی لگا کر اُن افسروں کے ساتھ جہاز پر بھیج دیا گیا۔

اور جب جین کے والد اور دوسرے لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹارزن نوّاب جان کلیٹن کا بیٹا ہے تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پروفیسر پورٹر نے اُسی وقت اعلان کر دیا کہ جب تک میں اپنی بیٹی کی شادی ٹارزن سے نہ کر دُوں گا، یہاں سے ہر گز نہ جاؤں گا۔

اگلے ہی روز ٹارزن کے اُس کیبن میں، جو اُس کے والد کی یادگار تھا، شادی کی ایک سادہ سی تقریب ہوئی۔ اُس تقریب میں جین اور ٹارزن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کی زندگی کا ساتھی بنا دیا گیا۔

ابھی سب لوگ بھُنے ہوئے گوشت کی ضیافت اڑانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ یکایک مس سٹرانگ کی والدہ نے یہ اعلان کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ ابھی آپ ایک اور شادی میں بھی شریک ہوں گے۔ یہ دوسری شادی مِس سٹرانگ اور مسٹر ٹینگٹن کی ہوئی۔

اب انہوں نے جلدی جلدی وطن جانے کی تیّاریاں کیں۔ سبھی لوگ بے انتہا خوش تھے۔ بوسولی قبیلے کے لوگوں نے ہاتھی دانت کا ذخیرہ اور سونے کا خزانہ ٹارزن کے حوالے کیا اور جب تک ڈارنوٹ کا جہاز ساحل سے ہٹ کر سمندر کی دُنیا میں گُم نہ ہو گیا وہ کنارے پر کھڑے نیزے ہِلا ہِلا کر انہیں سلام کرتے رہے۔

(ختم شُد)

اِس کے بعد کیا ہوا؟

یہ ٹارزن کے تیسرے حصّے

"ٹارزن اور درندے"

میں پڑھیے۔

بہت دِلچسپ اور حیرت انگیز ناول ہے۔